ازواجِ مطہرات

حافظ افروغ حسن

ازواجِ مطہرات

حصہ دوم

حافظ فروغ حسن

مکتبہ اردو ڈائجسٹ

۲۴۔ سرکلر روڈ، لاھور

جلد دوئم

حسن ترتیب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	انتساب	۵
۱	باب ۶۔ ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ	۷
۲	باب ۷۔ ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش	۴۷
۳	باب ۸۔ ام المومنین سیدہ جویریہؓ بنت حارثؓ	۹۱
۴	باب ۹۔ ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ	۱۱۳
۵	باب ۱۰۔ ام المومنین سیدہ صفیہؓ بنت حیی	۱۴۵
۶	باب ۱۱۔ ام المومنین سیدہ میمونہؓ بنت حارث	۲۰۵
۷	باب ۱۲۔ گلدستہ احادیث	۲۴۱
۸	کتابیات	۲۶۷

انتساب

اہلیہ مرحومہ اقبال جہاں بیگم کے نام، جس کی شخصیت شرم و حیا کے زیور سے مزین اور جس کا دل کتاب اللہ کی محبت کے نور سے منور تھا جس کی باوفا اور پرخلوص رفاقت نے مجھے زندگی کی بے پایاں مسرتوں اور بے کراں راحتوں سے شاد کام کیا اور جس نے اپنی فانی زندگی کے سفر کا اختتام اپنے اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسولؐ کی رسالت کی شہادت دیتے ہوئے کیا۔
خدا اس کی قبر کو جنت کا ایک باغیچہ بنا دے۔ آمین!

حافظ افروغ حسن

باب نمبر۶

خدا کی راہ میں تین بار سفر ہجرت کی سختیاں اور صعوبتیں برداشت کرنے والی شخصیت

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	اجمالی تعارف	۹
۲	خاندانی حالات	۱۰
۳	پہلی شادی	۱۱
۴	ایمان کی نعمت	۱۱
۵	ہجرت حبشہ	۱۲
۶	ابوطالب کی پناہ میں	۱۴
۷	قریشی سفارت کی کارگزاری سیدہؓ کی زبانی	۱۶
۸	مہاجرین کے بلند کردار کا حبشہ پر اثر	۲۱
۹	مدینے کی طرف ہجرت	۲۳
۱۰	داستان مصیبت	۲۴
۱۱	سیدہؓ مدینے میں	۲۶
۱۲	غم کا پہاڑ	۲۷
۱۳	ام المومنین ہونے کا لازوال شرف	۳۰
۱۴	سیدہؓ کا حجرہ	۳۲
۱۵	سیرت کے روشن پہلو	۳۳
۱۶	ام المومنین کی بیان کردہ چند احادیث	۴۰
۱۷	وفات	۴۳

بیوی نے اپنے شوہر سے کہا:" میں نے سنا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر اس کی زندگی میں انتقال کرجائے اور وہ عورت اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ اسے فردوس بریں میں داخل کرے گا۔ اسی طرح کسی مرد کی بیوی اس کی زندگی میں فوت ہوجائے اور وہ مرد اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو خدائے کریم و رحیم اس مرد کو بھی جنت کی نعمتوں سے بہرہ ور کرتا ہے۔ آؤ ہم دونوں عہد کرلیں کہ جو بھی پہلے دنیا سے کوچ کرجائے دوسرا اس کے بعد مجرد زندگی گزارے۔"

بیوی کی یہ محبت بھری باتیں سن کر شوہر نے کہا:" کیا تم میری بات مانو گی؟"

"کیوں نہیں؟ اس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے؟" بیوی نے برجستہ جواب دیا۔

اپنی باوفا رفیقہ حیات کا جواب اثبات میں پاکر شوہر نے خیرخواہی اور دلسوزی کے انداز میں کہا:" تو سنو! اگر میں پہلے مرجاؤں تو میرے بعد ضرور نکاح کرلینا۔" اس نصیحت کے بعد شوہر نے بارگاہ رب العزت میں سر عجز و نیاز

جھکا کر بڑے الحاح و زاری سے دعا مانگی:

"اے مولائے کریم! اگر میں اپنی اس پیکر مہر و وفا بیوی کی زندگی میں مرجاؤں تو اسے مجھ سے بہتر جانشین دینا۔"

یہ عظیم المرتبت اور انسانی فطرت کی ماہر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کے شوہر جن سے وہ دائمی رفاقت اور ابدی انسیت کے منصوبے بنا رہی تھیں، دین حق کے شیدائی اور اللہ کے رسولؐ کے محب صادق، ابو سلمہ رضی اللہ عنہ تھے۔

خاندانی حالات

حضرت ام سلمہؓ کا اصل نام ہند، باپ کا نام ابی امیہ بن مغیرہ تھا۔ آپ کا تعلق قبیلہ قریش کی ایک معزز شاخ بنی مخزوم سے تھا۔ ان کے والد اپنی سخاوت اور داد و دہش کے باعث پورے قبیلے میں معزز اور نامور تھے۔ ان کا دسترخوان بڑا وسیع اور کشادہ تھا۔ دوران سفر اپنے تمام ساتھیوں کی خوراک اور دوسری ضروریات کی ذمے داری بڑی فراخدلی سے پوری کرتے، اس لئے لوگ انہیں زادالراکب کے نام سے یاد کرتے تھے۔ مورخین نے سیدہ ام سلمہؓ کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔

ہند (ام سلمہؓ) بنت ابوامینہ (سہیل) بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم

والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر تھا اور وہ خاندان فراس سے تھیں۔

تاریخ و سیرت کی کتابیں حضرت ام سلمہؓ کے سال ولادت کے متعلق خاموش ہیں لیکن اس روایت کی روشنی میں جس میں آپ کا سال وفات ۶۳ھ بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۴ سال بتائی

گئی ہے، آپ کا سال ولادت متعین کیا جاسکتا ہے جو تقریباً "۳۱ عام الفیصل یعنی بعثت سے ۹ سال قبل بنتا ہے۔

پہلی شادی

حضرت ام سلمہؓ کی پہلی شادی دور جاہلیت ہی میں ان کے چچا زاد بھائی ابو سلمہؓ سے ہوئی۔ ابو سلمہؓ کا تعلق بھی بنی مخزوم سے تھا۔ ان کی کنیت ابو سلمہ، اصل نام عبداللہ اور باپ کا نام عبدالاسد تھا۔ ان کی والدہ آنحضورؐ کی حقیقی پھوپھی حضرت برہ تھیں۔ ابو سلمہؓ نے بھی ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس طرح وہ حضورؐ کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے۔ اس قریبی تعلق اور رشتے کی وجہ سے حضورؐ کو ان سے بے حد محبت تھی۔

ایمان کی نعمت

ابو سلمہؓ ایک سلیم الفطرت، پاکباز اور صحیح الفکر نوجوان تھے۔ حق پسندی اور راست گوئی ان کا شیوہ تھا۔ جونہی حضورؐ نے اپنی نبوت کا اعلان کیا اور خدا کا پیغام ان سعید روحوں تک پہنچنا شروع ہوا جن سے آپؐ کے تعلقات باہمی اعتماد پر قائم تھے، حضرت ابو سلمہؓ بھی ان خوش نصیب لوگوں میں شامل ہوگئے۔ جن تک توحید کی دعوت براہ راست زبان حق ترجمان کے ذریعے پہنچی۔ اسلام کا سچا اور دل موہ لینے والا پیغام قلب و ذہن کی گہرائیوں میں جگہ کرگیا اور زندگی میں انقلاب آگیا۔ بعض سیرت نگاروں نے انہیں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں گیارہویں نمبر پر شمار کیا ہے لیکن ابن سعد، ابن ہشام، طبری، ابن اثیر اور دوسرے تمام سیرت نگار ان کو ان فرزندان توحید کی فہرست میں شمار کرتے ہیں جو دعوت اسلامی کے ابتدائی تین سالہ

خفیہ دور میں دامن رسالت پناہ سے وابستہ ہوگئے تھے اور جنہوں نے یہ وابستگی ہر قیمت پر اور بڑی سے بڑی قربانی دے کر قائم رکھی تھی۔

حضرت ام سلمہؓ اور ابو سلمہؓ کی ذہنی و فکری ہم آہنگی اور یک رنگی مثالی تھی۔ دونوں ہی حضورؐ کی صداقت وامانت، حسن اخلاق اور شرافت نفس کی اعلیٰ خوبیوں سے آگاہ تھے، اس لیے ام سلمہؓ کو تحریک اسلامی کا ساتھ دینے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی، وہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ حلقہ اسلام میں داخل ہو کر خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں میں شامل ہوگئیں۔

دعوت و تبلیغ کے ابتدائی تین سال گزرنے کے بعد جونہی دعوت عام کا سلسلہ شروع ہوا، مخالفتوں اور مزاحمتوں کا طوفان امڈ پڑا۔ اہل مکہ کلمہ توحید ادا کرنے والوں کی زبانیں بند کرنے کے لئے جور و ستم اور ظلم وتشدد کا نت نیا حربہ استعمال کرتے۔ خدا کے دین کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش اپنی جان اور عزت کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف تھی۔ حرم شریف میں اسلامی طریقے کے مطابق نماز ادا کرنے اور اللہ کی کتاب کی آیات تلاوت کرنے کی ایسی بہیمانہ اور ظالمانہ سزا ملتی جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ابو سلمہؓ بھی دوسرے حق پرستوں کی طرح دین کی خاطر ہر سختی، ہر تکلیف اور ہر مصیبت برداشت کرتے رہے اور جادہ حق پر پوری ثابت قدمی سے جمے رہے۔

ہجرت حبشہ

جور و تعدی اور ظلم و تشدد کے مہیب اندھیروں میں حضورؐ نے اپنے جاں

حبشہ چلا جائے۔ وہاں ان کے لیے امن ہوگا' مذہبی آزادی ہوگی کیونکہ وہاں کا بادشاہ نجاشی ایک وسیع القلب اور انصاف پسند فرمانروا ہے۔

حبشہ کے ساتھ قریش کے تجارتی تعلقات زمانہ قدیم سے قائم تھے۔ وہاں کی آب و ہوا' رسم و رواج اور طرزِ معاشرت سے وہ بخوبی واقف تھے۔ حضورؐ کی طرف سے اجازت ملنے پر پندرہ افراد کا ایک قافلہ جس میں چار باہمت خواتین بھی تھیں' اللہ اور اس کے رسولؐ کی خاطر اپنا گھر بار' اپنا کاروبار اور اپنے قریب ترین رشتے داروں کو چھوڑ کر مکے سے نکل پڑا اور منزلیں طے کرتا ہوا ساحل سمندر پر جا پہنچا۔ کفار قریش کو جب ان کے شہر سے نکل جانے کی خبر ہوئی تو وہ تعاقب میں چل کھڑے ہوئے۔ خوش قسمتی سے مہاجرین کا یہ قافلہ بندرگاہ پہنچا تو اس وقت دو بحری جہاز حبشہ جانے لے لئے تیار کھڑے تھے۔ پانچ درہم فی کس کرایہ طے ہوا۔ اس طرح یہ لوگ ان جہازوں کے ذریعے بخیر و عافیت حبشہ کی سرزمین پر پہنچ گئے۔ اسلام کی تاریخ میں ہجرت کا یہ پہلا واقعہ نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں پیش آیا۔ مہاجرین کے اس مقدس قافلے میں حضرت ام سلمہؓ اور ان کے خاوند ابو سلمہؓ بھی شامل تھے۔

حبشہ میں مسلمان اپنا وقت امن اور چین سے گزار رہے تھے۔ احکام خداوندی کی بجا آوری میں کوئی مزاحمت نہ تھی مگر انہیں خبر ملی کہ قریش مکہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح ہو گئی ہے اور وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس خبر کے ملتے ہی مہاجرین حبشہ میں اپنے محبوب رہنما اور ہادیؐ کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے اخلاقی و روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے کا شوق پوری قوت سے پیدا ہوا۔ ابن سعد کے مطابق تمام مہاجرین

حبشہ، مکہ روانہ ہوئے۔ جب حق کی راہ میں مصیبتیں جھیلنے والوں کا یہ قافلہ شہر کے قریب پہنچا تو بنی کنانہ کے ایک آدمی سے ملاقات ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ قریش بدستور اسلام دشمنی کی قدیم روش پر قائم ہیں۔ آپس میں مشورے کے بعد یہی طے ہوا کہ اب حبشہ واپس جانے کے بجائے حضورؐ کی خدمت ہی میں حاضری دی جائے۔

واپس آنے والا ہر شخص کسی نہ کسی قریشی سردار کی پناہ لے کر مکے میں داخل ہوا۔

حضرت ابوسلمہؓ کو ان کے ماموں ابوطالب نے پناہ دی۔ اس طرح دونوں میاں بیوی حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کسی رکاوٹ کے بغیر اپنے آبائی شہر پہنچ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ابوطالب کی پناہ میں

ابو طالب نے ام سلمہؓ اور ان کے شوہر ابوسلمہؓ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ مگر پناہ لینے والوں کے قبیلہ بنی مخزوم کے لوگوں کو یہ بات پسند نہ آئی۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ اس قبیلے کے لوگ جمع ہو کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"اپنے بھتیجے کو آپ نے پناہ میں لے رکھا ہے مگر ہمارے آدمی سے آپ کا کیا واسطہ؟" اس پر ابو طالب نے جواب دیا:

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا بھتیجا ہے تو ابوسلمہ میرا بھانجا۔ جب میں اپنے بھتیجے کو پناہ دے سکتا ہوں تو اپنے بھانجے کو کیوں نہیں دے سکتا؟"

بنی مخزوم کے لوگوں نے ابوطالب سے جھگڑا کرنا چاہا تو ابولہب جو اپنی اسلام دشمنی میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔۔۔ اچانک صلہ رحمی کے جذبے سے

مغلوب ہو کر بول اٹھا:

"اے بنی مخزوم! تم نے شیخ (ابوطالب) کے ساتھ بہت کچھ کرلیا اور تم ان پر برابر دباؤ ڈالتے جارہے ہو۔ خدا کی قسم! یا تو تم ان کو تنگ کرنے سے باز آجاؤ نہیں تو میں بھی ان کی حمایت میں کھڑا ہوجاؤں گا۔"

قبیلہ بنی مخزوم کے لوگ ابولہب کی یہ بات سن کر گھبرا گئے اور بولے:

"اے ابوعتبہ ہم تم کو ناراض نہیں کرنا چاہتے۔"

حلقہ اسلام میں داخل ہونے والوں پر مشرکین مکہ کا ظلم و ستم شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو پھر حبشہ کی طرف نکل جانے کی اجازت دے دی۔ یہ ملک اسلام کے شیدائیوں کے لئے امن کی جگہ ثابت ہوچکا تھا' چنانچہ ٦ بعد بعثت کے آغاز میں دوسری ہجرت ہوئی۔ قریش نے اس ہجرت کو روکنے کی بڑی کوشش کی' مکے سے نکلنے والوں کو بے حد تنگ کیا اور ان کے راستے میں قسم قسم کی مشکلات اور رکاوٹیں پیدا کیں لیکن ابن سعد کے مطابق اس موقع پر ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئیں۔ ان ایک سو ایک ارباب وفا میں حضرت ام سلمہؓ اور ان کے خاوند ابو سلمہؓ بھی شامل تھے۔ یہ خوش قسمت اور قدسی صفت جوڑا دوسری مرتبہ اپنے اللہ کے دین کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر غربت کی زندگی اختیار کرنے پر دل و جان سے راضی ہوگیا تھا۔

مہاجرین کے اس پاکباز قافلے میں ہر خاندان قریش کے نوجوان شامل تھے۔ اسلام کے شدید ترین دشمنوں کے عزیز ترین لخت جگر بھی اپنے وطن کو خیرباد کہہ چکے تھے۔ اس جرات مندانہ انقلابی اقدام نے قائدین قریش کا ضمیر ضرور جھنجھوڑا ہوگا اور انہیں یہ سوچنے پر مجبور کیا ہوگا کہ ان کے وہ عزیز جو

اپنے نصب العین کی خاطر اتنی بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں' ضرور ایسے سرچشمے سے فیض حاصل کررہے ہیں جو زندگی بخش بھی ہے اور انقلاب آفرین بھی۔

اہل قریش نے باہمی مشورے سے طے کیا کہ شاہ نجاشی والی حبشہ کے پاس ایک سفارت بھیجی جائے۔ وہ اسے اس بات پر راضی کرے کہ مکے سے آنے والے مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے اور ان کے حوالے کردے۔

سفارت کے ارکان عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ مقرر ہوئے۔ وہ قیمتی ہدیوں اور تحفوں کے ساتھ نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

قریشی سفارت کی کارگزاری سیدہ ام سلمہؓ کی زبانی

حضرت ام سلمہؓ مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں ۔ انہوں نے حبشہ میں قریشی وفد کی کارگزاری اپنے ایک مفصل اور طویل بیان میں پورے شرح و بسط سے بیان کی ہے ۔ حضرت ام سلمہؓ کا یہ بیان تاریخی لحاظ سے نہایت اہم اور قیمتی دستاویز ہے ۔ اس سے ایک طرف قبل از اسلام عربوں کی مذہبی ' اخلاقی اور معاشرتی زندگی کا ایک واضح نقشہ سامنے آتا ہے اور دوسری طرف اسلام کی اصلاحی اور انقلابی تعلیمات کے تمام روشن پہلو اجاگر ہو جاتے ہیں۔

حضرت ام سلمہؓ کے اس تاریخی بیان کو ابن اسحٰق اور امام احمد نے ان سے روایت کیا ہے جس میں وہ فرماتی ہیں:

" قریش کے یہ دونوں ماہر سیاست سفیر یعنی عمرو بن العاص اور عبداللہ

بن ابی ربیعہ ہمارے تعاقب میں حبشہ پہنچے۔ پہلے انہوں نے نجاشی کے درباریوں اور امرا میں خوب خوب ہدیے تقسیم کیے۔ سب کو اس پر راضی کرلیا کہ وہ مہاجرین کو واپس کرنے کے لئے متفقہ طور پر بادشاہ پر زور ڈالیں گے۔ پھر نجاشی سے ملے اور اس کو بیش قیمت نذرانے دینے کے بعد کہا:" ہمارے شہر کے چند نادان لونڈے بھاگ کر آپ کے پاس آگئے ہیں اور قوم کے بزرگوں اور معززین نے ہمیں آپ کے پاس ان کی واپسی کی درخواست کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ یہ لڑکے ہمارے دین سے بھی نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں' بلکہ انہوں نے ایک نرالا دین نکال لیا ہے۔" ان کی بات ختم ہونے پر اہل دربار ہر طرف سے کہنے لگے:" ایسے لوگوں کو ضرور واپس کردینا چاہیے۔ ان کی قوم کے لوگ زیادہ جانتے ہیں کہ ان میں کیا عیب ہے۔ انہیں رکھنا ٹھیک نہیں۔" مگر نجاشیؒ نے بگڑ کر کہا:" اس طرح تو میں انہیں حوالے نہیں کروں گا۔ جن لوگوں نے اپنا ملک چھوڑ کر میرے ملک پر اعتماد کیا ہے اور یہاں پناہ لینے کے لئے آئے ہیں' ان سے میں بے وفائی نہیں کرسکتا۔ پہلے میں انہیں بلا کر تحقیق کروں گا کہ یہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں' اس کی حقیقت کیا ہے؟" چنانچہ نجاشی نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔

نجاشی کا پیغام پاکر سب مہاجرین جمع ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو تعلیم دی ہے ہم تو وہی بے کم و کاست بیان کریں گے خواہ نجاشی ہمیں رکھے یا نکال دے۔ وہ دربار میں پہنچے تو چھوٹتے ہی نجاشی نے سوال کیا:" یہ تم نے کیا کیا کہ اپنی قوم کا دین بھی چھوڑا اور میرے دین میں بھی داخل نہ ہوئے اور نہ دنیا کے ادیان میں سے

کسی کو اختیار کیا۔ آخر تمہارا دین ہے کیا؟"

اس پر جعفرؓ بن ابی طالب نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں انہوں نے کہا:

"اے بادشاہ! ہم ایک ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں پڑی ہوئی تھی۔ بت پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے، فحش باتیں کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، ہمسائیگی اور عہدو پیماں کا پاس کرنے میں برا رویہ رکھتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھائے جاتا تھا۔

"ہم اسی حال پر تھے کہ اللہ نے ہماری طرف خود ہم میں سے ایک رسولؐ بھیجا جس کے نسب، جس کی صداقت، جس کی امانت اور جس کی پاکدامنی کو ہم جانتے تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اس کی توحید کے قائل ہوں اور اسی کی عبادت کریں اور ان پتھروں اور بتوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہم اور ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔ اس نے ہمیں راست گوئی، امانت داری، صلہ رحمی، ہمسائیگی اور عہد وپیماں کی پاسداری کا اور حرام افعال اور خونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ ہم کو فواحش سے، جھوٹ سے، یتیم کا مال کھانے سے، پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے روکا۔ ہمیں صرف اللہ واحد کی عبادت کرنے اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کرنے کی تلقین کی اور ہمیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور روزے رکھنے کی ہدایت کی۔

"پس ہم نے اس کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لائے اور جو کچھ وہ اللہ کی طرف سے لایا تھا، اس کی پیروی کی۔ ہم نے صرف اللہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا۔ جس چیز کو اس نے ہم پر حرام کیا

اسے ہم نے حرام کیا اور جس کو اس نے ہمارے لئے حلال کردیا اسے ہم نے حلال کیا۔ اس پر ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی۔ اس نے ہم کو عذاب دیے اور دین کے معاملے میں ہم پر ظلم توڑے۔ آخر کار جب وہ ہمارے دین کے راستے میں حائل ہوگئے تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے اور دوسروں کے بجائے آپ کے ہاں آنا پسند کیا اور آپ کی پناہ لینی چاہی اس امید پر کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔"

کلام الٰہی کا اثر

نجاشی نے حضرت جعفرؓ کی تقریر سن کر کہا ذرا مجھے وہ کلام تو سناؤ جو تم کہتے ہو کہ خدا کی طرف سے تمہارے نبیؐ پر اترا ہے۔ اس پر حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کا وہ ابتدائی حصہ تلاوت کیا جس میں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ نجاشی اسے سنتا رہا اور روتا رہا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی تر ہوگئی۔ اس کے پادری بھی رو دیے۔ جب حضرت جعفرؓ نے تلاوت ختم کی تو نجاشی نے کہا:" یقیناً یہ کلام اور جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں۔ خدا کی قسم! میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے نہیں کروں گا۔"

اس کے بعد شاہ حبشہ نے قریش کے سفیروں سے کہا:" واپس جاؤ' خدا کی قسم! میں ان لوگوں کو تمہارے سپرد ہرگز نہیں کروں گا' یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔"

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:

" عبداللہ بن ابی ربیعہ ہمارے معاملے میں کچھ نرم تھا اور اس کی خواہش تھی کہ ہم بچ جائیں مگر عمرو بن العاص کا رویہ بڑا سخت تھا۔ اس نے

کہا کہ میں کل نجاشی کے سامنے ایک ایسی بات کہوں گا جو ان مہاجرین کی جڑیں کاٹ کر رکھ دے گی۔ اس پر عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا: "یہ لوگ ہمارے مخالف سہی مگر ہیں تو ہمارے بھائی بند اور ان کا کچھ حق ہم پر بھی ہے۔" عمرو نے اس کی کوئی بات نہ سنی اور اگلے روز نجاشی سے جاکر کہا کہ ذرا ان مہاجرین سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو دریافت کیجئے۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ایک بہت بری بات کہتے ہیں اور ان کو خدا کا بندہ قرار دیتے ہیں۔ نجاشی نے مہاجرین کو پھر بلا بھیجا۔ مہاجرین کو عمرو بن العاص کی شرارت کا پہلے ہی علم ہوگیا تھا' اس لئے مشورہ کیا گیا کہ اگر بادشاہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کرے تو اس کا کیا جواب دیا جائے۔ آخر کار اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طے کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہی بات کہی جائے جو اللہ نے بتائی اور اس کے رسولؐ نے سکھائی ہے۔

مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے۔ اس نے ان کے سامنے عمرو بن العاص کا سوال دہرایا۔ اس پر حضرت جعفرؓ نے جواب دیا اور کہا:

"حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک کلمہ اور روح ہیں جسے اللہ نے کنواری مریم پر القا کیا تھا۔"

یہ جواب سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا:

"خدا کی قسم! جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰ اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔"

نجاشی کی یہ بات سن کر دربار میں موجود پادری بگڑے مگر اس نے کہا تم چاہے بگڑو مگر حقیقت میں بات یہی ہے۔

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا: "جاؤ، میری زمین میں امن سے رہو۔ جو تمہیں برا کہے گا وہ سزا پائے گا۔ اگر مجھے سونے کا پہاڑ بھی ملے تو اس کے بدلے میں تمہیں ستانا پسند نہیں کروں گا۔"

شاہ حبشہ نجاشی نے اس کے بعد حکم دیا:

"ان دونوں سفیروں کے ہدیے انہیں واپس کر دیے جائیں، مجھے ان کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے جب میرا ملک مجھے واپس دلوایا تھا تو کوئی رشوت نہ لی تھی کہ میں اللہ کے معاملے میں رشوت لوں۔"

حضرت ام سلمہؓ کی یہ طویل روایت اس دور کے صبر آزما اور روح فرسا حالات کی ایک جامع اور مکمل تصویر پیش کر دیتی ہے جن میں اس وقت اہل ایمان گھرے ہوئے تھے۔ راہ حق میں تکلیفیں ہی تکلیفیں تھیں اور مصائب ہی مصائب تھے۔ آزمائش کا دور طویل اور کٹھن ہوتا جا رہا تھا۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود اہل ایمان عزم و استقامت کا پیکر بنے ہوئے تھے۔

مہاجرین کے بلند کردار کا حبشہ پر اثر

مہاجرین نے ملک حبش میں جس اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا فطری طور پر اس کے اثرات وہاں کے معاشرے نے قبول کیے، چنانچہ اس ملک کے عیسائیوں کا ایک وفد جو ۳۰ افراد پر مشتمل تھا اس نئے دین کی اساسات و مبادیات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے متعلق براہ راست معلومات حاصل کرنے مکے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وفد سے ملاقات حرم شریف میں ہوئی۔ عیسائیوں نے آپؐ سے کچھ سوالات کیے جس کے آپؐ نے تسلی بخش جوابات دیے۔ اس کے بعد حضورؐ نے قرآن مجید کی چند آیتیں ان کے سامنے تلاوت کیں جنہیں سن کر ارکان وفد کی

آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور انہوں نے آپؐ کی رسالت کی تصدیق کی۔

جب مجلس برخاست ہوئی تو ابوجہل اور چند دوسرے لوگوں نے ارکان وفد کو گھیر لیا اور کہا تم جیسا بدبخت گروہ کبھی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ تمہارے ہم مذہبوں نے تمہیں اس لیے بھیجا تھا کہ صحیح حالات معلوم کر کے آؤ مگر تمہاری حالت عجب ہے کہ تم اس کے پاس بیٹھتے ہی اپنا دین چھوڑ کر اس کے دین میں داخل ہو گئے۔ اس پر انہوں نے جواب میں کہا:

"سلام ہے بھائیو تم کو۔ ہم تمہارے ساتھ جھگڑے کی باتیں نہیں کر سکتے۔ ہمیں ہمارے طریقے پر چلنے دو اور تم اپنے طریقے پر چلتے رہو۔ ہم اپنے آپ کو جان بوجھ کر بھلائی سے محروم نہیں رکھ سکتے۔"

حبشہ سے واپسی

مہاجرین کا ایک گروہ جن میں حضرت جعفرؓ بھی شامل تھے حبشہ ہی میں مقیم رہا اور ۷ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر واپس آیا لیکن اکثر لوگ ہجرت مدینہ سے پہلے ہی مختلف اوقات میں مکہ معظمہ واپس آ گئے۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت ام سلمہؓ اور ان کے خاوند ابو سلمہؓ بھی انہی میں سے تھے۔

کفار مکہ کی ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب کی روش بدستور قائم رہی۔ حبشے سے واپس آنے والوں کے ساتھ اہل کفر کا رویہ اور بھی سخت ہو گیا۔ حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد جہاں اہل قریش کی حضورؐ کے ساتھ چیرہ دستیوں میں شدت آ گئی وہیں ابو سلمہؓ کے ساتھ ان کے قبیلے بنی مخزوم کا طرز عمل بھی نہایت سفاکانہ اور ظالمانہ ہو گیا۔ دوسری طرف مدینے کے ایک بااثر طبقے کے مشرف بہ اسلام ہونے پر وہاں اسلام کی اشاعت زور شور سے ہونے

لگی۔ وہاں کے قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے اکثر باہمت اور بلند حوصلہ افراد اس نئی اسلامی تحریک میں جاں و دل سے شامل ہوگئے۔ اہل مدینہ کے جذبہ خلوص و فدائیت کو دیکھتے ہوئے حضورؐ نے اپنے ستم رسیدہ ساتھیوں کو مدینے کی طرف ہجرت کرکے وہاں پناہ لینے کی اجازت دے دی۔

مدینے کی طرف ہجرت

طبری اور ابن ہشام کے مطابق دوسری تاریخ ساز بیعت عقبہ کے بعد جس مرد خدا نے اپنے قبیلے والوں کے مظالم و شدائد سے تنگ آکر مدینے کی طرف ہجرت کا قصد کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی اور آپؐ کی پھوپھی برہ کے صاحبزادے اور حضرت ام سلمہؓ کے شوہر ابو سلمہؓ تھے۔ یہ میاں بیوی پہلے بھی راہ خدا میں دوبار ہجرت کی سعادت سے بہرہ مند ہوچکے تھے۔ اب پھر یہی خوش نصیب جوڑا تھا جو مدینے کی طرف ہجرت کے انقلابی اقدام میں اولیت کا عظیم اور ارفع مقام حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھا۔

حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ابو سلمہؓ نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ محبت و وفا کا جو پیمان استوار کیا تھا اور اللہ کے دین کی سربلندی اور سرفرازی کی سعی و جہد میں اپنی تمام تر توانائیاں کھپا دینے کا جو پرعزم عہد کیا تھا' قدم قدم پر اس کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اپنے عہد و پیمان کی صداقت کا ثبوت دیا اور اس راہ میں وہ تکالیف و مصائب پورے صبرو ثبات سے برداشت کیے جنہیں سن کر دل پگھل جاتا ہے۔

مدینے کی طرف ہجرت کے موقع پر بھی اس وفا کیش جوڑے کو جس کربناک اور دردناک آزمائش میں سے گزرنا پڑا' اس سے عہدہ برآ ہونا انہی

اصحاب ہمت و عزیمت کا کام تھا۔

داستان مصیبت

بلاذری اور ابن ہشام نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ درد بھری داستان خود ان کی زبانی بیان کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

"جب میرے شوہر ابو سلمہؓ مدینے جانے لگے تو میں بھی ان کے ساتھ اپنے بچے سلمہ کو گود میں لے کر نکلی۔ وہ مجھے اور میرے بچے کو اونٹ پر بٹھا کر اس کی نکیل تھامے ہوئے چل پڑے۔ میرے میکے کے لوگوں نے انہیں جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ دوڑے ہوئے آئے اور راستہ روک کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے:" تم تو ہمارے قابو سے باہر ہوگئے ہو' تمہارا جہاں جی چاہے جاؤ مگر ہم اپنی اس لڑکی کو تمہارے ساتھ جگہ جگہ ماری ماری پھرنے کے لئے نہیں چھوڑ سکتے۔" یہ کہہ کر انہوں نے اونٹ کی نکیل ابو سلمہؓ سے چھین لی اور مجھے واپس لے چلے۔ اتنے میں ابو سلمہؓ کے خاندان کے لوگ بھی پہنچ گئے۔ وہ بگڑ کر بولے:

"جب تم نے اپنی لڑکی کو ہمارے آدمی سے چھین لیا تو ہم اپنے بچے سلمہ کو کیوں اس کے پاس رہنے دیں' چنانچہ انہوں نے میرے بیٹے سلمہ کو مجھ سے زبردستی چھین لیا اور چھینا جھپٹی میں اس کا ہاتھ بھی اتر گیا (مورخ بلاذری کے بیان کے مطابق اس بچے کا یہ ہاتھ مرتے دم تک اترا رہا) اب حال یہ تھا کہ بچے کو وہ لے گئے' میرے میکے والوں نے مجھے اپنے ہاں لے جاکر بند کردیا اور ابو سلمہ بیچارے تن تنہا مدینے کی طرف روانہ ہوگئے۔

"تقریباً" ایک سال تک میرا یہ معمول رہا کہ روز نکل کر اس جگہ جا بیٹھتی جہاں میں اپنے خاوند ابو سلمہؓ سے جدا کی گئی تھی۔ وہاں آہیں بھرتی اور

آنسو بہاتی۔ ایک دن میرے خاندان کے ایک آدمی نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا۔ میری بے چینی و بے قراری کی اس کیفیت پر اسے ترس آیا اس نے خاندان والوں سے کہا اس بے چاری مسکین کو کیوں نہیں جانے دیتے۔ تم نے اسے اس کے شوہر سے بھی جدا کردیا اور بچے سے بھی۔ آخرکار میرے میکے والوں نے کہا: "اگر تو اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا۔" میرے سسرال والوں نے بھی میرا بچہ مجھے دے دیا۔ میں بچے کو لئے ہوئے اکیلی اونٹ پر سوار ہوکر مدینے کی طرف چل پڑی۔ تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ قبیلہ بنی عبدالدار کے عثمان بن طلحہ راستے میں ملے۔ مجھے دیکھ کر بولے: "ابو امیہ کی بیٹی! کدھر جارہی ہو؟" میں نے کہا: "میں اپنے شوہر کے پاس مدینے جارہی ہوں۔" انہوں نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی نہیں؟ میں نے جواب دیا: خدا اور اس بچے کے سوا میرے ساتھ کوئی نہیں۔ اس پر وہ بولے: خدا کی قسم! میں تمہیں تنہا نہیں جانے دوں گا۔ پھر وہ میرے اونٹ کی نکیل تھام کر چلنے لگے۔ اللہ کی قسم! میں نے ان سے زیادہ شریف آدمی نہیں دیکھا۔ جب وہ کسی منزل پر پہنچتے تو میرے اونٹ کو بٹھا کر الگ ہٹ کر کھڑے ہوجاتے۔ میں بچے کو لے کر جب اتر جاتی تو وہ اونٹ کو کسی درخت سے باندھ دیتے اور مجھ سے دور کسی درخت کے نیچے جالیٹتے۔ جب چلنے کا وقت آتا تو وہ اونٹ کو لا کر بٹھاتے اور خود دور کھڑے ہوکر مجھ سے کہتے سوار ہوجاؤ۔ میرے سوار ہونے کے بعد وہ اونٹ کی نکیل تھام کر روانہ ہوجاتے۔ مدینے تک سارا راستہ انہوں نے اسی طرح طے کیا اور جب قبا میں بنی عوف کی بستی نظر آئی تو مجھ سے کہا: تمہارے شوہر وہاں ہیں۔ ان کے پاس چلی جاؤ۔ اللہ تمہیں برکت دے! اس کے بعد جس طرح وہ پیدل آئے تھے' اسی

طرح پیدل مکے واپس چلے گئے:

عثمان بن طلحہ' جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے' ان کا شمار سرداران مکہ میں ہوتا تھا۔ اس وقت وہ مشرک تھے اور اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن۔ اسلام قبول کرنے والوں کو ستانے اور ایذائیں پہنچانے اور انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنانے میں انہیں خاص لذت محسوس ہوتی تھی' چنانچہ ان کے چچا زاد بھائی مصعبؓ بن عمیر نے جب دین اسلام کو اپنی زندگی کے مقصد اور نصب العین کی حیثیت سے اپنانے کا اعلان کیا تو انہیں سخت ترین اذیتیں پہنچانے میں انہوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ عثمان بن طلحہ کا حضرت ام سلمہؓ سے کوئی قریبی رشتہ بھی نہ تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود ان کا حضرت ام سلمہؓ کو بحفاظت مدینے تک پہنچانا اور پورے راستے ان کے ساتھ نہایت شریفانہ اور باوقار برتاؤ کرنا تائید غیبی ہی کا ایک ادنیٰ کرشمہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

عثمان بن طلحہ کی یہ شرافت اور ان کی فطرت کی یہ چھپی ہوئی عظمت ہی آخر کار انہیں اسلام کے نور سے منور کرنے کا ذریعہ بنی اور صلح حدیبیہ کے بعد ایمان کی دولت سے مالا مال ہوکر حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ ہجرت کرکے دربار رسالتمابؐ میں حاضر ہوئے۔

سیدہ مدینے میں

آخر کار دکھوں' مصیبتوں اور پریشانیوں کا ایک تلاطم خیز سمندر عبور کرکے حضرت ام سلمہؓ مدینے میں اپنے محبوب اور وفاشعار خاوند کے پاس پہنچ گئیں۔ مدینے کی یہ بستی جو آفتاب توحید کی نورانی شعاعوں سے منور ہوتی جارہی تھی' محبت و صداقت کے ان متوالوں کے لئے امن و سکون اور

راحت و اطمینان کی سہانی سرزمین ثابت ہوئی۔ کفر و شرک کے ماحول میں قلب اور روح پر جو کاری زخم لگے تھے ان کے لئے نعرہ تکبیر کے پرجوش اور پرخلوص نعروں سے معمور یہ ایمان پرور ماحول راحت بخش مرہم ثابت ہوا۔ اس آسودگی اور فرحت میں اس امر نے کئی گنا اضافہ کردیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چند روز بعد مکے سے ہجرت کرکے یہاں تشریف لے آئے اور مدینے کی بستی اپنے مکینوں کی بے پناہ حب النبی ' باہمی مودت و محبت اور بے مثل خیرخواہی اور دردمندی کی بدولت رشک جنت النعیم بن گئی۔

حضرت ابوسلمہؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ تحریک اسلامی کے تقاضوں سے پوری طرح باخبر۔ رمضان ۲ھ میں کفر و اسلام کے مابین جب بدر کے مقام پر پہلا معرکہ کارزار گرم ہوا تو وہ اس میں شریک ہوئے اور شجاعت و بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ اسی طرح جب شوال ۳ھ میں غزوہ احد پیش آیا تو دوسرے شمع رسالت کے پروانوں کے ساتھ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان جہاد میں پوری پامردی سے حصہ لیا لیکن ایک زہریلے تیر سے ان کا بازو زخمی ہوگیا۔ علاج سے وقتی طور پر صحت ہوگئی لیکن کچھ دنوں بعد یہ زخم پھر ہرا ہوگیا اور اسی کی تکلیف سے جمادی الاخر ۴ھ میں واصل بحق ہوکر شہادت کے بلند اور ارفع مرتبے پر فائز ہوگئے ۔ آخری وقت وہ دعا کررہے تھے: "الٰہی! میرے کنبے کی اچھی طرح نگہداشت فرمانا۔"

غم کا پہاڑ

ابوسلمہؓ کی موت حضرت ام سلمہؓ کے لئے ایک صدمہ جانکاہ تھا۔ غم کا ایک پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑا تھا۔ اس حادثہ دلگداز نے ان کی پوری شخصیت ہلاکر

رکھ دی تھی۔ چھوٹے چھوٹے چار بچے تھے جو بے سہارا رہ گئے تھے۔ ام سلمہؓ جس نے اپنے مخلص اور محبوب رفیق زندگی کی معیت میں بڑے سے بڑے دکھ اور صدمے کو بڑی ہمت اور حوصلے سے برداشت کیا تھا' اب اپنے شہر اور اپنے قبیلے سے دور یکہ و تنہا رہ گئی تھیں۔ رنج و محن اور غم و الم کی شدت سے بے ساختہ ان کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے:

"ہائے ہائے' غربت میں کیسی موت آئی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کی خبر ملی تو آپؐ ان کے گھر تشریف لائے' پس ماندگان کو صبر کی تلقین کی اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرمائی ۔ یہ واقعہ امام مسلم نے حضرت ام سلمہؓ کی زبانی بیان کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں:

"میرے شوہر ابوسلمہؓ جب وفات پا گئے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی اور اطلاعاً" عرض کی کہ ابوسلمہ فوت ہو گئے ہیں۔ یہ سن کر آپؐ میرے گھر تشریف لائے۔ ابوسلمہؓ کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ آپؐ نے انہیں اپنے دست مبارک سے بند کیا اور فرمایا کہ جب روح قبض کر لی جاتی ہے تو اس کے ساتھ بصارت بھی ختم ہو جاتی ہے' اس لئے کھلی رہ جانے والی آنکھوں کو بند کر دیا کرو۔ ابوسلمہؓ کے گھر والوں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت اپنے منہ سے کلمہ خیر کے سوا کچھ نہ نکالو' کیونکہ اس وقت جو تمہارے منہ سے نکلے گا فرشتے اس پر آمین کہیں گے۔ پھر آپؐ نے دعا کی : اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما۔ ہدایت یافتہ افراد میں اس کا درجہ بلند فرما اور اس کے پس ماندگان کو کوئی اچھا جانشین عنایت فرما۔ ہماری اور اس کی مغفرت کر۔ اس کی قبر کشادہ اور منور

فرما۔"

ابو سلمہؓ کی نماز جنازہ خود حضورؐ نے پڑھائی اور نماز میں نو تکبیریں کہیں۔ لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ! اس نماز جنازہ میں آپؐ نے نو تکبیریں کیسے کہیں؟ فرمایا: "ابو سلمہ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔"

ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد حضرت ام سلمہؓ پر بے چارگی اور بے بسی کا عالم طاری ہوگیا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ' نہ کوئی ذریعہ معاش اور نہ کوئی ظاہری مادی سہارا لیکن ابو سلمہؓ کی ان کے حق میں پرسوز دعائیں جو بارگاہ رب العزت میں شرف قبولیت حاصل کرچکی تھیں' سب سے موثر اور کارگر سہارا ثابت ہوئیں۔ خدا کی راہ میں اس پاک باطن جوڑے کی عظیم الشان قربانیوں اور اب حضرت ام سلمہؓ کی حالت زار کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ علامہ ابن سعد کے بیان کے مطابق سیدہ ام سلمہؓ نے جواب میں کہلوایا: "یارسول اللہ' پہلی بات تو یہ ہے کہ میری جوانی ڈھل چکی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ میں چار یتیم بچوں کی ماں ہوں۔ میں ان کا بوجھ لے کر آپؐ کے پاس نہیں آنا چاہتی۔ تیسرے یہ کہ میں سخت غیور قسم کی عورت ہوں۔ میرے دل میں خاص قسم کی غیرت ہے جس کی وجہ سے میں پہلے خاوند کے بعد کسی اور سے شادی نہیں کرسکتی۔" سیدہؓ کے اس پیغام کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا: جہاں تک زیادہ عمر کا تعلق ہے تو یہ کوئی اہم بات نہیں' میں عمر میں تم سے بڑا ہوں' دوسری بات یتیم بچوں کی تو میں خود ان کی کفالت کرنا چاہتا ہوں۔ رہ گئی غیرت کی تو یہ اہم بات ہے۔ اس کے لئے میں اللہ سے دعا کروں گا کہ تمہارے دل سے یہ غیرت ختم ہوجائے اور وہ تمہاری طبیعت کو معمول پر لے

آئے۔"

بارگاہ الٰہی میں یہ دعا قبول ہوئی اور بالآخر سیدہؓ نے خود یہ رشتہ بخوشی قبول کرلیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضورؐ نے ان چار یتیم بچوں کی پرورش ایسی شفقت اور محبت سے کی کہ وہ حقیقی باپ کو بھی بھول گئے۔

ام المومنین کا لازوال شرف

اسی سال یعنی شوال ۴ھ میں حضرت ام سلمہؓ حضورؐ کے نکاح میں آئیں اور اس طرح ام المومنین کے جلیل القدر شرف سے مشرف ہوکر اپنی روحانی اولاد کے لئے مشفقانہ اور مادرانہ تعلیم و تربیت کا موجب بنیں۔ اس سلسلے میں ان کی گرانقدر خدمات اتنی عظیم ہیں کہ امت مسلمہ قیامت تک ان کے اس احسان کے بار سے سبکدوش نہیں ہوسکتی۔

حضرت ابو سلمہؓ اپنے اعلیٰ اخلاق' بلند کردار اور حسین معاشرت کی وجہ سے اپنی رفیقہ حیات ام سلمہؓ کی نظر میں ایک مثالی شوہر تھے جن کی قدر و منزلت اور ان سے کامل ہم آہنگی اور یک رنگی کے جذبات و احساسات سے ان کی روح پوری طرح سرشار تھی۔ لیکن اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں انہیں بہتر اور اعلیٰ جانشین دستیاب ہوچکا تھا۔ اپنی اس خوش نصیبی کا انہیں احساس بھی تھا اور خدا کے اس احسان عظیم پر ان کا دل جذبہ تشکر سے لبریز بھی' چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں:

"میں کہتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں مجھے جو نعم البدل عطا فرمایا ہے وہ ابو سلمہ سے بہرجہت افضل و بہتر ہے۔"

(مسلم)

حضور سے نکاح کے بعد حضرت ام سلمہؓ حرم نبوی میں داخل ہوئیں۔ رہائش کے لئے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا حجرہ ملا جو وفات پا گئی تھیں۔ حضورؐ نے ان کو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا ایک چرمی تکیہ، دو مشکیزے اور دو چکیاں عطا فرمائیں۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے پہلے دن ہی حضورؐ کے لئے کھانا تیار کیا۔ اس طرح اول روز ہی سے وہ حضورؐ کی خدمت اور آپؐ کو آرام و راحت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش میں ہمہ تن مصروف ہو گئیں۔

اللہ کے رسولؐ کا گھر کسی دنیاوی فرمانروا یا شہنشاہ کا گھر نہ تھا جہاں عیش و عشرت کے سازو سامان کی فراوانی ہوتی، بلکہ یہ اس ہادیؐ عالم کا گھر تھا جہاں سادگی تھی، فقرو فاقہ تھا، صبرو قناعت اور ریاضت و توکل کی فرمانروائی تھی۔ اس کے بغیر دکھی انسانیت کی دستگیری اور بھٹکی ہوئی خلق خدا کی ہدایت و رہنمائی کا عظیم مگر نہایت کٹھن فریضہ انجام نہیں دیا جاسکتا تھا۔

حرم نبوی میں داخل ہونے والی ہر خوش قسمت اور بلند مرتبہ خاتون حقیقت حال سے پوری طرح باخبر تھی، چنانچہ جب سورہ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی:

"اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو۔ اگر تم دنیا اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور دار آخرت کی طالب ہو تو جان لو کہ تم میں سے جو نیکو کار ہیں اللہ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

تو اس وقت حضورؐ نے تمام ازواج کو فرداً فرداً اس آیت میں بیان کردہ حکم سے آگاہ کیا اور انہیں اختیار دیا کہ وہ اپنی پسند کا اظہار کریں۔ مسند

احمد' صحیح مسلم اور نسائی کی روایت کے مطابق اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے جو جواب دیا اور جس کی تائید پوری آزادی کے ساتھ باقی تمام امہات المومنین نے بھی کی' وہ درج ذیل ہے:

"میں تو اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو چاہتی ہوں۔"

سیدہ کا حجرہ

ابن سعد نے طبقات میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے اس حجرے کی تفصیلات بیان کی ہیں جن میں آپ رہتی تھیں۔ روایات کے مطابق حجرے کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔ کھجوروں کی شاخوں سے اس کی چھت تیار کی گئی تھی۔ دروازے پر سیاہ رنگ کے بالوں کا ٹاٹ پڑا رہتا تھا جس کی لمبائی تقریباً" ۵ فٹ اور چوڑائی تقریباً" ۲ فٹ تھی۔ ولید بن عبدالملک کے دور تک یہ حجرہ امہات المومنین کے دوسرے حجروں سمیت اپنی اسی حالت میں رہا۔ خلیفہ ولید نے گورنر مدینہ کو حکم بھیجا کہ یہ تمام حجرے منہدم کر کے ان کی جگہ مسجد نبوی میں شامل کر دی جائے۔ جب یہ حجرے گرائے جا رہے تھے تو اہل مدینہ زارو قطار رو رہے تھے۔ اسی روز سید التابعین سعیدؒ بن المسیب کو یہ کہتے سنا گیا:

"کاش! یہ لوگ ان حجروں کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑ دیتے تاکہ آنے والی نسلیں دیکھ سکتیں کہ رسولؐ اللہ نے اپنے زندگی میں کس چیز پر کفایت کی اور ان حجروں کا وجود لوگوں میں بکثرت مال جمع کرنے اور آپس میں فخر کرنے سے نفرت پیدا کرتا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم مبارک جس طرح بالکل سادہ اور کچے حجروں پر مشتمل تھا' اسی طرح اس مقدس گھر کے مکینوں کی خوراک بھی

بالکل سادہ مگر صحت بخش تھی ۔ جس گھرانے کی ذمے داری پورے انسانی معاشرے کی تعلیم و تربیت اور اس کی اصلاح و تعمیر تھی ' اس کے ہاں کام و دہن کے لئے لذتوں کا سامان فراہم کرنے کی خاطر قسم قسم کے پر تکلف اور پرذوق کھانے پکانے اور تیار کرنے کی کسے فرصت ہوسکتی تھی ؟ چنانچہ ابن سعد نے حضرت ام سلمہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری گزراوقات اکثر ان دودھ دینے والی اونٹنیوں کے دودھ پر تھی جو غابہ کی چراگاہ میں چرا کرتی تھیں۔ ان کو آپؐ نے اپنی بیویوں میں تقسیم فرما دیا تھا۔ میرے حصے کی اونٹنی کا نام عریس ' تھا ہم لوگ اس کے دودھ پر زندگی بسر کرتے تھے اور جتنا دودھ چاہتے ' لے سکتے تھے۔"

سیرت کا روشن پہلو

حضرت ام سلمہؓ کی شخصیت اعمال واخلاق کی تمام اعلیٰ خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ تھی ' تاہم یہاں کچھ پہلوؤں کا اختصار سے ذکر کیا جائے گا:

عزیمت

حضرت ام سلمہؓ نے دعوت توحید قبول کی۔ اس کے بعد دنیا کی کون سی مصیبت اور پریشانی تھی جو ان پر نہ ٹوٹی ہو۔ گھر بار تباہ ' خاندان کی حمایت سے محرومی ' جلاوطنی کی زندگی ' باربار سفر کی صعوبتیں ' شوہر اور بچے سے جدائی اور مسلسل معاشی تنگی مگر یہ سب پریشانیاں ان کے پائے استقلال میں ذرا سی لغزش بھی پیدا نہ کرسکیں۔

حب رسولؐ

حضرت ام سلمہؓ کی سیرت کا یہ پہلو کہ انہیں اللہ کے رسولؐ کی ذات اور ان کی تعلیمات سے بے پناہ محبت تھی، نہایت روشن اور تابناک ہے۔ انہیں اسی محبت سے وہ طاقت اور توانائی حاصل ہوتی تھی جس کی بدولت انہوں نے نہایت نامساعد اور حوصلہ شکن حالات و حادثات کا پوری جرات و بے باکی سے مقابلہ کیا اور ہر کڑے امتحان میں کامیاب ہوئیں۔ حرم نبوی میں آنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ان کی زندگی کا مقصد وحید بن گیا تھا۔ یہی خدمت ان کی روحانی تسکین کا اہم ترین ذریعہ تھی۔ ۱۱ھ میں حضورؐ علیل ہو کر جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں تشریف لائے تو حضرت ام سلمہؓ آپؐ کی عیادت اور خدمت کے لئے وہاں تشریف لے جاتیں۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ایک دن حضورؐ کو سخت بیمار دیکھ کر ان کی چیخ نکل گئی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: "مسلمان کے لئے مصیبت کے وقت چیخنا مناسب نہیں۔"

حضرت ام سلمہؓ نے حضورؐ کے چند موئے مبارک ایک چاندی کی ڈبیہ میں تبرکاً محفوظ رکھے ہوئے تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ صحابہؓ میں سے جب کسی کو کوئی تکلیف یا بیماری لاحق ہوتی تو پانی کا بھرا ہوا پیالہ لے کر وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ وہ موئے مبارک کو ڈبیہ سے نکال کر پانی میں ہلا دیتیں۔ اس کی برکت سے تکلیف دور ہو جاتی۔

حضرت ام سلمہؓ کا موئے مبارک کو اس طرح محفوظ رکھنا ثمرہ تھا اس گہری اور والہانہ عقیدت کا جو ان کو حضورؐ کی ذات اقدس سے تھی۔

اسی بے پناہ محبت اور عقیدت کا یہ اثر تھا کہ ۶۱ھ میں جب حضورؐ کے عزیز ترین نواسے امام حسینؓ میدان کربلا میں شقی القلب عراقیوں کے ہاتھوں

شہید ہوگئے تو مسند احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق حضرت ام سلمہؓ نے عین اس وقت خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ سر اور ریش مبارک غبار آلود ہیں اور آپؐ نہایت غمزدہ اور پریشان ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا: "یارسولؐ اللہ! یہ کیا حال ہے؟" آپؐ نے فرمایا: "حسینؓ کے مقتل سے آرہا ہوں۔"

حضرت ام سلمہؓ کی آنکھ کھلی ' بے اختیار ہو کر زارو قطار رونے لگیں اور بلند آواز میں فرمایا: "عراقیوں نے حسینؓ کو قتل کیا۔ اللہ انہیں قتل کرے۔ انہوں نے حسینؓ سے دغا کی۔ خدا ان پر لعنت کرے۔"

فیاضی

سخاوت و فیاضی انہیں اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھی ۔ ضرورت مندوں ' مسکینوں اور سائلوں کی حاجتیں پوری کرنا حضرت ام سلمہؓ کا مستقل شیوہ تھا۔ کسی سائل کا آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ جانا آپ کو کسی طرح گوارہ نہ تھا۔ کتاب الخراج کے مطابق حضرت عمرفاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں دوسری امہات المومنینؓ کی طرح ام سلمہؓ کا بھی بارہ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا تھا۔ آپؐ اس رقم کا بیشتر حصہ خدا کی راہ میں خدا کے بندوں کی بھلائی کے لئے خرچ کردیتیں اور خود اپنے لئے سادگی اور فقرو عسرت کی حالت پسند فرماتیں۔

حقوق و فرائض کا کامل شعور

حضرت ام المومنین ام سلمہؓ نے ہوش سنبھالتے ہی اللہ کے دین سے وابستگی قائم کرلی تھی ۔ اس دین فطرت کی تعلیم کی بدولت آپ کی سیرت اور

آپ کے کردار میں ایسی پختگی اور ایسا توازن اور اعتدال پیدا ہوگیا تھا کہ جہاں ایک طرف فرائض کی ادائیگی کا گہرا احساس اور عملی طور پر انہیں ادا کرنے کا ایک شعوری اور متحرک جذبہ ان کی طبیعت اور فطرت کا جزو لاینفک بن چکا تھا' وہیں ان میں ایک ایسی بے باکانہ جرات بھی پیدا ہوگئی تھی کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کرسکیں اور کسی کو ان پر دست اندازی کی اجازت نہ دیں۔

چنانچہ ابن ابی حاتم نے حضرت انسؓ کے حوالے سے حضرت عمرؓ کا بیان ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"مجھے خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المومنین کے درمیان کچھ ناچاقی ہوگئی ہے۔ اس پر میں ان میں سے ایک ایک کے پاس گیا اور ان سے کہا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنے سے باز آجاؤ ورنہ تمہارے بدلے اللہ تم سے بہتر بیویاں حضورؐ کو عطا کردے گا۔ یہاں تک کہ جب میں امہات المومنین میں آخری کے پاس گیا جو ام سلمہؓ تھیں تو انہوں نے مجھے جواب دیا:' اے عمر! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو نصیحت کے لئے کافی نہیں کہ تم انہیں نصیحت کرنے چلے آئے ہو؟ اس پر میں خاموش ہوگیا۔"

اس روایت سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ حضرت ام سلمہؓ کو حقوق و فرائض کی شعوری آگاہی تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے ان کی نجی زندگی میں مداخلت کی کوشش کی تو ایک شفیق ماں کی حیثیت سے انہیں فوراً" ٹوک دیا اور واضح کردیا کہ اپنی نجی زندگی کے معاملات کی حفاظت اور نگرانی ہر فرد کا اپنا بنیادی حق ہے جس میں مداخلت کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں۔ (سچ ہے اپنے فرائض اور حقوق کی پاسداری کرنے والے جری اور مضبوط افراد ہی

انسانی معاشرے کی تعمیر و اصلاح اور اس کی رہنمائی و قیادت کا مہتم بالشان کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔)

اصابت رائے

قدرت نے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کو بے شمار اخلاقی اور روحانی فضائل و کمالات کے ساتھ ساتھ حکمت و فراست اور اصابت رائے کی نعمت سے بھی فراوانی سے نوازا تھا۔ اپنی اس خداداد صلاحیت کی بدولت وہ ایسے وقت میں جب تمام راہیں مسدود نظر آتی تھیں، کوئی نہ کوئی قابل عمل راہ نکال لیتی تھیں۔

۶ھ میں صلح حدیبیہ ہوئی ۔ اس وقت حضورؐ کے ساتھ ۱۴۰۰ جاں نثاروں کی جمعیت تھی۔ اس صلح کی شرائط میں سے دو شرطیں ایسی تھیں جو مسلمانوں کو کسی طرح پسند نہ تھیں۔ ان کی وجہ سے وہ سخت غمزدہ اور رنجیدہ تھے۔ پہلی شرط کے مطابق اگر قریش کا کوئی شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینے چلا جائے تو اسے واپس کردیا جائے گا لیکن اگر مدینے سے کوئی مسلمان قریش کے پاس مکے آجائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

دوسری شرط میں کہا گیا کہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی اس بار واپس جائیں گے اور اگلے سال عمرے کے لئے آکر صرف تین دن مکے میں ٹھہر سکیں گے، بشرطیکہ نیام میں صرف ایک ایک تلوار لے کر آئیں اور کوئی جنگی سامان ساتھ نہ ہو۔

صلح کا عہد نامہ مرتب ہوجانے کے بعد حضورؐ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اب یہیں قربانی کے جانور ذبح کردیے جائیں اور سر کے بال ترشوا کر احرام کھول دیے جائیں، مگر صحابہؓ کے دل غموں سے اتنے چور تھے کہ کوئی

بھی اس حکم کی تعمیل کے لئے نہ اٹھا۔ آپؐ نے تین مرتبہ حکم دیا مگر کسی نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔

حضورؐ کو اپنے پورے دور رسالت میں ایک اس موقع کے سوا کبھی یہ صورت پیش نہیں آئی کہ آپؐ صحابہؓ کو حکم دیں اور وہ اس کی تعمیل کے لئے دوڑ نہ پڑیں۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ حضورؐ کو اس پر سخت صدمہ ہوا اور آپؐ نے اپنے خیمے میں جا کر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے اپنے دل کے حزن و ملال کی کیفیت کا ذکر کیا۔ انہوں نے عرض کی کہ آپؐ خاموشی سے تشریف لے جائیں اور خود اپنا اونٹ ذبح فرمائیں' حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوالیں اور احرام کھول دیں۔ اس کے بعد تمام لوگ خود بخود آپؐ کے عمل کی پیروی کریں گے اور سمجھ لیں گے کہ جو فیصلہ ہو چکا ہے' اب اس میں تبدیلی کا کوئی امکان نہیں' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپؐ کو دیکھ کر لوگوں نے بھی قربانیاں کرلیں' حجامتیں بنوالیں اور احرام کھول دیے مگر ان کے دل غم و الم سے کٹے جا رہے تھے۔

اسلامی جماعت جو اس وقت ایک شدید بحران کی کیفیت سے دوچار تھی' حضرت ام سلمہؓ کے بروقت صائب مشورے کی بدولت عافیت و سلامتی کے ساتھ باہر نکل آئی۔

سنت کے علم کی حفاظت

صحابہ کرامؓ کی ایک قابل اعتماد جماعت ایسی موجود تھی جس نے اپنی زندگی کا تمام وقت سنت رسولؐ کا علم حاصل کرنے کے لئے وقف کردیا تھا۔ آج سنت رسولؐ کے علم کی تمام تر تازگی و شادابی اور مسلم معاشرے کی

کی مرہون منت ہے۔ حضرت ام سلمہؓ کی ذات بابرکت بھی اس پاکباز گروہ میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ ذیل میں ہم ایک گوشوارہ پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ سنت کا علم اپنی دینی اولاد تک پہنچانے میں انہوں نے کتنی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں:

نمبر شمار	نام صحابی	تعداد روایات
۱	حضرت ابو ہریرۃؓ	۵۳۷۴
۲	حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ	۲۶۶۰
۳	حضرت عائشہ صدیقہؓ	۲۲۱۰
۴	حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ	۱۶۳۰
۵	حضرت جابرؓ بن عبداللہ	۱۵۴۰
۶	حضرت انسؓ بن مالک	۱۲۸۶
۷	حضرت ابو سعید خدریؓ	۱۱۷۰
۸	حضرت عبداللہؓ بن مسعود	۸۴۸
۹	حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص	۷۷۰
۱۰	حضرت علی کرم اللہ وجہہ	۵۸۶
۱۱	ام المومنین حضرت ام سلمہؓ	۳۷۸

اس گوشوارے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرویات کی تعداد کے لحاظ سے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا نمبر گیارہواں ہے اور راوی خواتین میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نمبر پہلا اور ان کا دوسرا ہے۔ ہمارے نزدیک ان کی سیرت و شخصیت کا یہ پہلو سب سے نمایاں اور قابل فخر ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کو اپنی اس حیثیت کا پوری طرح احساس تھا کہ امت مسلمہ کی ماں کی یہ ذمے داری ہے کہ وہ اپنی روحانی اولاد کی خدا کے دین کی تعلیمات کیمطابق تعلیم و تربیت میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دیں، اسی لئے وہ حضورؐ کے ارشادات اور خطبات کو بڑی توجہ اور انہماک سے سنتیں تاکہ ان میں بیان کردہ اصول و احکام کو اچھی طرح سمجھ کر بندگان خدا تک پہنچا سکیں۔ اس سلسلے میں ان کی دلچسپی اور توجہ کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک جمعے کے دن ایک خادمہ ان کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی ۔ اتنے میں حضورؐ کی آواز کانوں میں آئی جو جمعے کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ ابھی آپؐ نے خطبے کے پہلے الفاظ ہی ادا کئے تھے کہ حضرت ام سلمہؓ فوراً بالوں کو خود باندھ کر خطبہ سننے کے لئے تشریف لے گئیں اور پورا خطبہ بڑے دھیان سے سنا۔

ام المومنینؓ کی بیان کردہ چند احادیث

اب ہم حضرت ام سلمہؓ کی مرویات میں سے چند ذیل میں درج کریں گے تاکہ اندازہ ہوسکے کہ انہوں نے علم و حکمت کے کیسے انمول موتی آنے والی نسلوں کی طرف منتقل کیے ہیں:

یتیموں پر خرچ کا اجر

۱۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے جو بچے ابو سلمہؓ سے ہیں اگر میں ان کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان پر خرچ کروں تو کیا مجھے کوئی ثواب ملے گا؟ وہ میری اولاد ہیں اور میں یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ وہ ادھر ادھر بھٹکتے

پھریں۔ حضورؐ نے فرمایا: "ہاں ان پر خرچ کرنے کا ثواب ملے گا۔" (بخاری و مسلم)

ظلم سے کسی کا حق مارنے کا انجام

۲۔ انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بھی انسان ہوں۔ تم اپنے جھگڑے فیصلے کے لئے میرے پاس لے کر آتے ہو۔ مقدمے کے فریقین میں سے ایک زیادہ باتونی اور چرب زبان ہوتا ہے۔ میں تو جو سنوں گا اسی کے مطابق فیصلہ دے دوں گا لیکن یاد رکھو اگر میں نے کسی کو اس کے بھائی کا حق دلوادیا تو گویا میں نے اسے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے دیا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حکام سے تعلقات

۳۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم پر ایسے حکام مقرر کیے جائیں گے جن کی بعض باتیں تمہیں اچھی معلوم ہوں گی اور بعض باتیں بری۔ سو جس نے بری باتوں پر اظہار ناپسندیدگی کیا وہ بری الذمہ ہوگیا اور محفوظ ہوگیا لیکن جس نے ان کی برائیاں اور ان کے غلط کام پسند کیے وہ انہیں میں شامل ہوگیا۔" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: "یارسول اللہ! کیا ہم ایسے حاکموں کے خلاف جنگ کریں؟" آپؐ نے فرمایا: "نہیں، جب تک وہ نماز کا نظام قائم رکھیں ان کے خلاف جنگ نہ کرنا۔" (مسلم)

چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے ممانعت

۴۔ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

گھر سے باہر نکلنے کی دعا

۵۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے جاتے وقت یہ دعا پڑھتے:

"اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی کا نام لے کر گھر سے نکلتا ہوں۔ اے اللہ میں بھٹکنے یا بھٹکائے جانے سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔ لغزش میں پڑوں یا کسی کو لغزش میں ڈالوں، کسی پر زیادتی کروں یا کوئی مجھ پر زیادتی کرے، کسی سے جاہلانہ برتاؤ کروں یا کوئی میرے ساتھ جہالت سے پیش آئے، سب صورتوں میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔" (ترمذی - ابوداؤد)

مصیبت پر صبر کا انعام

۶۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص مصیبت اور رنج کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر یہ دعا مانگے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور صلہ عطا فرمائے گا۔ دعا یہ ہے:

"اے اللہ! میری مصیبت اور رنج کا مجھے اجر و ثواب عطا فرما اور میری جو چیز جاتی رہی ہے اس کا مجھے نعم البدل عطا فرما۔"

"ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ابو سلمہؓ کی وفات پر میں نے حضورؐ کے حکم کے مطابق یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی شکل میں ابو سلمہؓ کا نعم البدل عطا فرمادیا۔ (مسلم)

نابینا سے پردہ کرنے کا حکم

۷۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں اور حضرت میمونہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ اتنے میں حضرت ابن مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے' اور یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" تم دونوں ان سے پردے میں ہو جاؤ۔" ہم نے کہا:" یارسول اللہ وہ تو نابینا ہیں۔ وہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں نہ پہچان سکتے ہیں۔" تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اور کیا تم ان کو دیکھ نہیں رہی ہو؟" (ترمذی۔ ابوداؤد)

وفات

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے سال وفات کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے' قاضی سلیمان صاحب منصور پوری نے ان کا سن وفات ۵۹ ھ' علامہ شبلی نے ۶۱ ھ اور طالب ہاشمی نے ۶۳ ھ درج کیا ہے علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں سیدہ کا سال وفات ۵۹ ھ ہی بیان کیا ہے۔

ام المومنین ام سلمہؓ کی نماز جنازہ مشہور صحابی رسولؐ حضرت ابوہریرہؓ نے پڑھائی۔ مدینے کے قبرستان جنت البقیع میں ان کی آخری آرام گاہ تیار ہوئی۔ اور ان کے بیٹوں سلمہؓ اور عمرؓ نے انہیں لحد میں اتارا۔ وفات کے وقت عمر ۸۴ سال تھی۔

تمام امہات المومنین میں آپ سب سے آخر میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ ان کے انتقال کے بعد عالم اسلام اپنی روحانی ماؤں کے پرشفقت سایے سے محروم ہوگیا۔

اولاد

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے ہاں حضورؐ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ لیکن ان کے پہلے شوہر ابو سلمہؓ سے ان کے ہاں دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ جن کے نام یہ ہیں: عمرؓ، سلمہؓ، درہؓ اور زینبؓ۔

۱۔ عمرؓ۔ یہ حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اپنے والد ابو سلمہؓ کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً دس سال تھی۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں فارس اور بحرین کے گورنر رہے۔ سعید بن مسیب، عروہ بن زبیرؓ اور ابوامامہ بن سہلؓ نے ان سے احادیث کی رویت کی۔ ۸۴ ھ میں انتقال ہوا۔

۲۔ سلمہؓ۔ یہی وہ صاحبزادے ہیں جنہیں ہجرت مدینہ کے موقع پر ان کے دادھیال کے لوگ زبردستی ان کی ماں ام سلمہؓ سے چھین کے لے گئے تھے اور اس چھینا جھپٹی میں ان کا بازو اتر گیا تھا۔ حضورؐ نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی بیٹی امامہ کی شادی ان سے کی تھی۔ انہوں نے عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت میں وفات پائی۔

۳۔ درہؓ۔ یہ سیدہ ام سلمہؓ کی وہ بیٹی ہیں جن کا ذکر صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ نے دریافت کیا تھا کہ کیا حضورؐ "درہ" سے نکاح کرنے والے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تھا کہ وہ میری ربیبہ (بیوی کے پہلے شوہر کی بیٹی) نہ بھی ہوتی تو بھی وہ میرے لئے حلال نہ تھی کیونکہ اس کے باپ ابو سلمہؓ نے بھی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا۔ اس طرح وہ میرے رضاعی بھائی تھے۔

۴۔ زینبؓ۔ یہ اپنے باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ جب سیدہ ام سلمہؓ کا نکاح حضورؐ سے ہوا۔ تو وہ اپنی ماں کا دودھ پیتی تھیں۔ یہ اپنے زمانے

میں سب عورتوں سے زیادہ فقیہہ تھیں۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ:

"میں چھوٹی سی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غسل فرما رہے تھے۔ میں ان کے قریب پہنچ گئی۔ آپؐ نے پیار سے میرے منہ پر پانی کے چھینٹے پھینکے۔ جن کی برکت سے میرے چہرے کی تازگی و شادابی آخر عمر تک قائم رہی۔"

یوم الحرہ ۶۳ھ کے بلوہ عام میں ان کے دونوں بیٹے مارے گئے۔ دونوں کی لاشیں ان کے سامنے رکھی ہوئی تھیں۔ فرمانے لگیں: "خدا کی قسم' ان دونوں کی موت میرے لئے بڑی مصیبت ہے۔ ان میں سے ایک نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا' اپنے گھر پر رہا لیکن ظلماً مارا گیا۔ مجھے امید ہے کہ اسے جنت ملے گی۔ دوسرے نے جنگ میں حصہ لیا اور قتل ہوا۔ اب میں نہیں کہہ سکتی کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں اس حادثہ خونچکاں کو مصیبت عظمیٰ سمجھتی ہوں۔"

باب نمبر ۷

بلند حوصلہ ' سیر چشم ' پیکر جود و سخا خاتون جن کا نکاح خود شہنشاہ کائنات نے اپنے آخری اور محبوب رسولؐ کے ساتھ کرنے کا اعلان کیا اور جن کی ذات کئی ظالمانہ رسوم کے استیصال اور کئی تاریخ ساز اصلاحات کا وسیلہ بنی

ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تعارف	۵۰
۲	خاندانی حالات	۵۱
۳	زیدؓ بن حارثہ سے شادی کیلئے پیغام	۵۱
۴	امت مسلمہ کیلئے رہنما اصول	۵۵
۵	طبیعتوں کا اختلاف اور اس کے اثرات	۵۶
۶	شکر رنجیوں کا نتیجہ	۵۷
۷	اشارہ غیبی	۵۸
۸	تبنیت کی حقیقت اور اس کی تباہ کاریاں	۵۸
۹	نکاح کا پیغام	۶۱
۱۰	بشارت نکاح پر سیدہؓ کا اظہار تشکر	۶۳
۱۱	شاندار ولیمہ	۶۴
۱۲	ولیمہ معاشرتی اصلاح کا ذریعہ	۶۶
۱۳	سیدہؓ کی اس شادی کی اہمیت	۶۹
۱۴	انسانی مساوات کا عملی پیغام	۷۰
۱۵	تبنیت کی غیر فطری رسم کی تنسیخ	۷۰

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۶	چادر اور چاردیواری کے تقدس کا تحفظ	۷۱
۱۷	پروپیگنڈے کا طوفان	۷۲
۱۸	مخالفین کے تین اہم اعتراضات	۷۶
۱۹	اعتراضات کے جوابات	۷۸
۲۰	نکاح کے وقت سیدہؓ کی عمر	۸۰
۲۱	سیدہؓ کی للہیت کی تصدیق	۸۱
۲۲	حق گوئی	۸۱
۲۳	سیدہ زینبؓ اور آیت تحریم	۸۲
۲۴	آفتاب نبوت سے فیض پایا	۸۴
۲۵	سیدہ زینبؓ کی سیرت کا اہم پہلو	۸۵
۲۶	وفات	۸۷

برزہ بنت رافعؓ بیان کرتی ہیں:

" خلیفہ راشد حضرت عمرفاروقؓ نے بارہ ہزار درہم کی رقم سیدہؓ کی خدمت میں بھیجی۔ اسے دیکھ کر بولیں " میری بہنیں اس کی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں۔" بتایا گیا یہ سب کچھ صرف آپ کے لئے ہے۔۔ یہ سن کر مجھے فرمایا "اس پر کپڑا ڈال دو اور تقسیم کرنا شروع کردو۔" میں آپ کی ہدایت کے مطابق مٹھی بھر بھر کر درہم گھروں میں پہنچاتی رہی۔ ان میں کچھ آپ کے عزیز تھے اور کچھ یتیم۔ پھر بھی کپڑے کے نیچے کچھ رقم رہ گئی۔ میں نے عرض کیا " ام المومنینؓ ' اس میں میرا بھی تو حق ہے۔" فرمایا "جو کچھ باقی ہے وہ تم لے لو۔" میں نے کپڑے کے نیچے چھپے ہوئے باقی درہم سمیٹ لئے۔ گنے تو وہ پچاسی تھے۔ پوری رقم تقسیم کرنے کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی:" الٰہ العالمین' اگلے سال وظیفہ کی یہ رقم مجھے نہ ملے کیونکہ یہ فتنہ ہے:"

بارگاہ رب العزت میں یہ پرسوز دعا قبول ہوئی اور اسی سال وہ اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔"

یہ بلند حوصلہ، سیر چشم، پیکر جود و سخا اور مجسمہ بے نیازی و استغناء خاتون سیدہ زینب بنت جحش تھیں جن کو ام المومنین ہونے کا شرف اس انداز میں حاصل ہوا کہ خود شہنشاہ کائنات نے ان کا نکاح اپنے آخری اور محبوب رسولؐ کے ساتھ کرنے کا اعلان کیا۔ اور جن کی ذات اور جن کی شخصیت کئی ظالمانہ اور غیر منصفانہ سماجی رسوم کے استیصال اور کئی تاریخ ساز انقلابی اصلاحات کا وسیلہ بنی۔ اسی اعزاز و اکرام نے سیدہ موصوفہ کو پوری نوع انسانی کی محسنہ کے قابل رشک اور لائق قدر منصب پر فائز کردیا۔

خاندانی حالات

سیدہ زینبؓ کے والد گرامی کا نام جحش تھا۔ علامہ ابن سعد اور دوسرے مورخین نے ان کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

زینب بنت جحش بن ریاب بن یعمر بن صبرۃ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

اس طرح باپ کی طرف سے ان کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا اور ماں کی طرف سے قبیلہ بنی ہاشم سے کیونکہ ان کی والدہ حضورؐ کی پھوپھی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔

سیدہ کو اسلام کے ابتدائی دور میں ہی ایمان کی نعمت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینے تشریف لائے تو سیدہ زینبؓ بھی اپنے خاندان والوں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچیں۔ رشتے کی قرابت کی بناپر وہ حضورؐ کی کفالت اور سرپرستی میں رہیں۔

زیدؓ بن حارثہ سے شادی کے لئے پیغام

۴ ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کا نکاح اپنے منہ بولے لاڈلے بیٹے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا پیغام بھی بھیجا جس پر سیدہ زینبؓ اور ان کے خاندان کے لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ان کا موقف تھا کہ ایک اونچے خاندان کی شریف زادی کا جوڑ ایک آزاد شدہ غلام کے ساتھ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق اس پیغام نکاح کے جواب میں سیدہ نے اپنی رائے اس طرح ظاہر کی تھی:

"میں زیدؓ کو اپنے لئے پسند نہیں کرتی کیونکہ نسب کے لحاظ سے میں اس سے بہتر ہوں۔"

حضرت زیدؓ باپ کی طرف سے قبیلہ بنی کلب اور ماں کی طرف سے قبیلہ بنی طے کے چشم و چراغ تھے۔ یہ دونوں قبیلے عرب کے معزز اور باوقار قبائل میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن زیدؓ بچپن میں ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گئے۔ انہوں نے عکاظ کے بازار میں انہیں غلام کی حیثیت سے فروخت کردیا۔ خریدنے والے سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ وہ انہیں چار سو درہم میں خرید کر مکے لے آئے اور اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کردیا۔ جب ان کی شادی حضورؐ سے ہوئی تو آپؐ نے اس ہونہار لڑکے کے اطوار و خصائل پسند کرتے ہوئے اسے اپنے لئے مانگ لیا۔ آپؐ کی شفقت و محبت اور لطف و ملائمت نے زیدؓ کے دل میں وابستگی و وارفتگی کی وہ کیفیت پیدا کی کہ جب کئی سال کی تلاش و جستجو کے بعد ان کے والد اور چچا مکے آئے اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ جتنا فدیہ چاہیں لے لیں مگر ہمارے بچے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ اس موقع پر زیدؓ نے جو کچھ کہا تھا

تاریخ نے اسے اپنے ریکارڈ میں محفوظ کرلیا ہے۔ انہوں نے حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میرے آقا، آپ کی ذات گرامی پر اب میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ خدا کے لئے مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کیجئے۔"

زیدؓ کے اس نیازمندانہ اور وفاشعارانہ طرز عمل سے حضورؐ اتنے خوش ہوئے کہ آپؐ نے اسی وقت ان کی آزادی کا اعلان کردیا اور اپنے ساتھ حرم میں لے جاکر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے گروہ قریش، گواہ رہنا کہ زیدؓ آج سے میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہوگا۔"

اس اعلان عام کے بعد لوگ انہیں زیدؓ بن محمدؐ کہہ کر پکارنے لگے۔ زیدؓ کے باپ اور چچا اپنے بیٹے کو لطف و کرم کی ان شاداب بہاروں میں خوش و خرم دیکھ کر خوشی خوشی واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ اعلان نبوت سے پہلے کا تھا۔ اب نکاح کے اس پیغام کے وقت حضرت زیدؓ کی سماجی حیثیت کسی لحاظ سے بھی فروتر نہ تھی۔ نسبی لحاظ سے ان کا تعلق عرب کے ممتاز قبائل سے تھا۔ اس کے علاوہ اب انہیں دنیا کے معزز ترین انسان کی رفاقت و مصاحبت اور نسبت و تعلق کا اعزاز بھی حاصل ہوچکا تھا۔ ان تمام خوبیوں اور کمالات کے باوجود ان پر ایک وقت جبری غلامی کا ایسا دھبہ لگ چکا تھا جس میں ان کے اختیار اور ان کے ارادے کو کوئی دخل نہ تھا۔ لیکن عرب کا معاشرہ اپنے دستور اور اپنی روایات کے پیش نظر انہیں آزاد انسانوں کے برابر عزت و وقار کا مقام دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس ظالمانہ رواج نے نامعلوم کتنے ہی قیمتی انسانوں کو ان کے شرف و احترام

کے بلند مقام سے گرا کر ذلت و خواری کے تاریک غاروں میں دھکیل دیا تھا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مساوات انسانی کے علمبردار اور ہر قسم کی غیر فطری اونچ نیچ اور غیر اخلاقی تفریق کو مٹا دینے کی عالمگیر تحریک کے قائد تھے اور جنہوں نے پوری نوع انسانی کے سامنے تقویٰ کو شرافت و بزرگی کا معیار قرار دیا تھا معاشرے میں پائے جانے والے اس جاہلانہ تصور کی بیخ کنی کا مصمم ارادہ کرلیا۔ سیدہ زینبؓ اور ان کے اہل خاندان کی ناپسندیدگی کے باوجود اس نکاح پر اصرار کیا اور خود خدائے ذوالجلال نے اپنے رسولؐ کے فیصلے کی اس طرح تائید و توثیق کی:

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے، پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔" (سورہ احزاب آیت ۳۶)

اس ارشاد خداوندی کو سنتے ہی سیدہ زینبؓ اور ان کے گھر والوں نے اطاعت کے لئے سر جھکا دیا۔ اس کے بعد خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح پڑھایا اور حضرت زیدؓ کی طرف سے دس دینار اور ساٹھ درہم مہر کے طور پر ادا کئے۔ اس وقت تک حضرت زیدؓ حضورؐ کے گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ ہی رہتے تھے لیکن اس شادی کے بعد ان کی رہائش کے لئے حضورؐ نے علیحدہ مکان کا بندوبست کیا اور اس نئے جوڑے کی ضروریات کے لئے کھانے پینے کے سامان کے علاوہ کپڑے بھی بھجوائے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کی قریب ترین رشتے والی خاتون، جس کی عالی نسبی پورے معاشرے میں مسلم تھی، کی شادی ایک

آزاد شدہ غلام کے ساتھ کر کے دنیائے انسانیت پر وہ عظیم احسان کیا جس کی بدولت جبری اور عارضی غلامی کی ذلت کی بدنما سیاہی ہمیشہ کے لئے دھل گئی۔ اور بے شمار بندگان خدا جو بے بسی اور بے کسی کی غلامی کے بدنما داغوں کی وجہ سے انسانیت کے شرف و وقار سے محروم ہو چکے تھے پھر عزت و سعادت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے۔

امت مسلمہ کے لئے رہنما اصول

جس طرح یہ شادی انسانیت کے ایک پس ماندہ طبقہ کی بحالی اور سرفرازی کا موجب بنی اسی طرح اس موقع پر جو آیت نازل ہوئی اس نے امت مسلمہ کے لئے اسلامی آئین کا ایک ایسا رہنما اصول مقرر کر دیا جس کا اطلاق پورے نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اس کی رو سے کسی مسلمان فرد یا ادارے ' یا قوم یا جماعت بلکہ مسلم ریاست کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا کوئی حکم ثابت ہو اس میں خود اپنی رائے کی آزادی استعمال کرے۔

ایک اہم نکتہ

اکثر قدیم و جدید سیرت نگار سیدہ زینبؓ کے تذکرے میں سرسری طور پر بیان کر دیتے ہیں کہ ان کی پہلی شادی حضرت زیدؓ سے ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی وہ اس امر پر بھی متفق ہیں کہ اس شادی کے وقت سیدہ کی عمر چونتیس سال تھی۔ واقعہ کے اس انداز روایت سے تاریخ و سیرت کے ایک طالب علم کو ایک الجھن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سیدہ زینبؓ کا تعلق ایک

حسن و جمال اور اپنی سلیقہ شعاری کی صلاحیت میں اپنے دور کی کسی خاتون سے کم تر نہ تھیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اپنی عمر کے چونتیس سال تک رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے محروم رہیں حالانکہ اس وقت اونچے اور شریف خاندانوں میں اپنی بچیوں کو دس بارہ سال کی عمر میں بیاہ دینے کا عام رواج تھا۔

اس اشکال کا جزوی حل تو سیدہ کے بھتیجے عثمان کی اس روایت سے سامنے آجاتا ہے جسے علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں نقل کیا ہے اور جو اس طرح ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو سیدہ زینبؓ بھی ہجرت کرکے وہاں آگئیں۔ وہ حسین تھیں۔ آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کے لئے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ بولیں۔" یارسول اللہ' میں انہیں اپنے لئے پسند نہیں کرتی' میں قریش خاندان کی ایک بیوہ ہوں۔" آپؐ نے فرمایا " میں انہیں تمہارے لئے پسند کرتا ہوں۔" پھر آپؐ نے ان کا زیدؓ سے نکاح کردیا۔

مندرجہ بالا روایت سے یہ تو واضح ہوجاتا ہے کہ اس شادی کے وقت سیدہ کنواری نہیں بلکہ بیوہ تھیں۔ لیکن اس سے پہلے ان کی شادی کس کے ساتھ ہوئی تھی؟ اس سوال کے جواب کے متعلق تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں(اگر کوئی صاحب علم اپنی تحقیق کی بنیاد پر اس کی نشاندہی کرسکے تو علمی دنیا پر ایک احسان ہوگا۔)

طبیعتوں کا اختلاف اور اس کے اثرات

طبائع کی بنا پر یہ رشتہ باہمی مودت و الفت کا ذریعہ نہ بن سکا۔ حضرت زیدؓ بڑے بردبار اور حلیم الطبع انسان تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس سے پہلے ان کے نکاح میں حضرۃ ام ایمنؓ تھیں جو بیوہ تھیں۔ حبشی نژاد تھیں اور عمر میں بھی ان سے کافی بڑی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کا گھر باہمی الفت و تعاون کی وجہ سے امن و سکون کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اس کے برعکس سیدہ زینبؓ اپنے دل سے اس احساس کو نہ مٹا سکیں کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام اور ان کے خاندان کے پروردہ ہیں اور وہ خود ایک اونچے اور اعلیٰ خاندان کی لخت جگر ہیں۔ اسی احساس اور اسی سوچ کی وجہ سے انہوں نے حضرت زید کو عائلی زندگی میں کبھی اپنے برابر کا نہ سمجھا۔ یہ صورت حال تلخیاں اور شکر رنجیاں پیدا کرتی رہی۔ حضرت زیدؓ نے بارہا اپنے محسن و مربی کی خدمت میں ان تلخ اور ناخوش گوار حالات کا تذکرہ کیا۔ لیکن آپؐ نے ہمیشہ صبرو تحمل اور اپنی بیوی سے حسن سلوک کی تلقین فرمائی جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

"اے نبی' یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو۔"

(سورہ احزاب آیت ۳۷)

شکر رنجیوں کا نتیجہ

آخر کار میاں بیوی کی باہمی شکر رنجیاں اپنا رنگ لاکر رہیں۔ کوئی تلقین' کوئی نصیحت اور کوئی تدبیر ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکی۔ حضرت زیدؓ نے تنگ آکر شادی کے ایک سال بعد ۵ ھ میں سیدہ کو طلاق دے دی۔ طلاق

آپؐ نے ہی زور دے کر یہ رشتہ کرایا تھا۔ دوسری طرف سیدہ کے اہل خاندان بھی بے حد ملول و مغموم ہوئے کیونکہ ان کی صاحبزادی کو طلاق کی ذلت برداشت کرنا پڑی تھی۔

اشارہ غیبی

جن دنوں حضرت زیدؓ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے متعلق سوچ رہے تھے انہی دنوں عالم بالا سے حضورؐ کو اشارہ مل رہا تھا کہ اس طلاق کے بعد آپؐ کو سیدہ زینبؓ سے نکاح کرنا ہوگا تاکہ تبنیت (گود لینے) کی قدیم جاہلانہ اور غیر منصفانہ رسم کے بت پر ایسی کاری ضرب لگے جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ اس غیر حقیقت پسندانہ رواج کے زہریلے اور شرانگیز اثرات سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجائے۔

تبنیت کی حقیقت اور اس کی تباہ کاریاں

دوسرے ملکوں کی طرح عرب میں بھی دوسرے کے بچے کو گود لے لینے اور اسے منہ بولا بیٹا بنالینے کا عام رواج تھا۔ عرب کے لوگ اس رسم کے تحت جس بچے کو متبنیٰ بنا لیتے تھے وہ بالکل حقیقی اولاد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اسے وراثت ملتی تھی ۔ اس سے منہ بولی ماں اور منہ بولی بہنیں وہی میل جول رکھتی تھیں جو حقیقی بیٹے اور سگے بھائی کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ منہ بولے باپ کی بیٹیوں سے اور اس منہ بولے باپ کے مرجانے کے بعد اس کی بیوہ سے نکاح اسی طرح ناجائز سمجھا جاتا تھا جس طرح سگی بہن اور حقیقی ماں سے کسی کا نکاح حرام ہوتا ہے اور یہی معاملہ اس صورت میں بھی کیا جاتا تھا جب منہ بولا بیٹا مر جاتا یا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو منہ بولے

باپ کے لئے وہ عورت اس کی بہو کی طرح سمجھی جاتی تھی۔ یہ رسم قدم قدم پر نکاح و طلاق اور وراثت کے ان احکام و قوانین سے ٹکراتی تھی جو سورہ بقرہ اور سورہ النساء میں بیان ہوئے تھے۔ ان کی رو سے جو اشخاص حقیقت میں وراثت کے حقدار تھے یہ رسم ان کو محروم کرکے ایک ایسے شخص کو دلواتی تھی جو سرے سے کوئی حق نہ رکھتا تھا۔ ان خدائی احکام کی روشنی میں جن مردوں اور عورتوں کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم کرنا حلال تھا یہ خود ساختہ رسم ان کے باہمی نکاح کو حرام قرار دے دیتی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی قانون جن بداخلاقیوں کا قلع قمع کرنا چاہتا تھا یہ رسم ان کے پھیلانے اور فروغ دینے میں مددگار ثابت ہورہی تھی کیونکہ منہ بولے رشتے کے مصنوعی تقدس پر بھروسہ کرتے ہوئے اگر منہ بولی بیٹی، منہ بولی بہن اور منہ بولی ماں کے ساتھ آزادانہ میل جول اور اختلاط کی اسی طرح اجازت ہو جس طرح حقیقی بیٹی، سگی بہن اور اصلی ماں کے ساتھ ہوتی ہے تو اس کے برے اور اخلاق سوز نتائج پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اب اسلام اصلاح معاشرہ کی جو انقلاب آفرین سکیم پیش کررہا تھا اس کی بنا پر یہ لازمی تھا کہ متبنی (گود لئے ہوئے) کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھنے کے تصور اور تخیل کا مکمل استیصال کردیا جائے۔ چنانچہ فرمان خداوندی جاری ہوا:

"خدا نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم اپنے منہ سے نکال دیتے ہو۔ مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۴، ۵)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ پہلے لوگ زیدؓ کو زیدؓ بن محمدؐ کہتے تھے۔ لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد زیدؓ بن حارثہ کہنے لگے۔

ذہنی کش مکش

حضرت زیدؓ نے سیدہ زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اب ایک طرف حضورؐ کو اشارہ ہو رہا تھا کہ عدت کی مدت پوری ہونے کے بعد آپؐ سیدہؓ کو اپنے نکاح میں لے آئیں تاکہ آپؐ کے اس اقدام سے رسم تبنّیت (گود لینے) کے متعلق صدیوں سے ذہنوں میں جمے ہوئے تصورات کا کلی خاتمہ ہو اور منہ بولے رشتے کی وجہ سے شریعت حقہ کی طرف سے نکاح کے لئے حلال کردہ رشتوں کے بارے میں دلوں میں کراہت و حرمت کے جو توہمات جاگزیں ہو گئے ہیں انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ نیز سیدہ زینبؓ اور ان کے خاندان کے افراد جو اس وقت سخت غم و اضطراب کی کیفیت سے دوچار تھے ان کی دلجوئی کا تقاضا بھی یہ تھا کہ آپؐ خود آگے بڑھ کر سیدہ کو اپنے حرم میں داخل فرمائیں۔ اس کے باوجود آپؐ اس سلسلے میں قدم اٹھاتے ہوئے جھجک رہے تھے کیونکہ آپؐ کو یقین تھا کہ کفار و منافقین جو آپؐ کی مسلسل کامیابیوں کی وجہ سے پہلے ہی جلے بیٹھے تھے وہ اس اقدام کو اسلامی تحریک کے خلاف ایک زبردست ہتھیار کے طور پر استعمال کریں گے۔ آپؐ کو اس میں صرف اپنی بدنامی کا ہی خوف نہ تھا بلکہ اندیشہ تھا کہ مخالفانہ پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے وہ لوگ جو حق و باطل کی اس کشمکش میں غیر جانبدار ہیں یا اسلام کی طرف مائل ہیں بدگمان ہو کر دشمنوں سے جاملیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کمزور عقل و ذہن کے مالک کچھ مسلمان بھی اس زہریلے پراپیگنڈے کی

اپنے پیارے رسول کی اس ذہنی کشمکش کی حالت و کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

" اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا ہے۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔" (احزاب آیت ۳۷)

کشمکش کا خاتمہ

اس کائنات کا مختار مطلق، جس نے اپنے آخری نبیؐ کو فلاح انسانیت کے بلند اور ارفع مشن کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمایا تھا اور جس کی ہدایت و رہنمائی اور جس کی حفاظت و سرپرستی کا ذمہ خود لیا تھا، وہ اسے مسلسل بے چینی اور کشمکش کی روح سوز اور جاں گداز حالت میں کیسے چھوڑ سکتا تھا! اس نے اس میں یکسوئی و دلجمعی کی ہمت افزا کیفیت ابھارنے اور پیدا کرنے کی خاطر براہ راست اس طرح رہنمائی فرمائی:

" اے پیارے نبی، اللہ سے ڈرو۔ اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو۔ حقیقت میں علیم اور حکیم اللہ ہی ہے۔ پیروی کرو اس بات کی جس کا اشارہ تمہارے رب کی طرف سے تمہیں کیا جارہا ہے۔ اللہ ہر اس بات سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اللہ پر توکل کرو۔ اللہ وکیل ہونے کے لئے کافی ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۱، ۲)

نکاح کا پیغام

رب العلمین کی واضح ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینبؓ کو اپنی طرف سے نکاح کا پیغام بھیجنے کا فیصلہ کیا اور یہ

خدمت حضرت زیدؓ بن حارثہ ہی کے سپرد کی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابھی تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ حضرت زیدؓ نے یہ خدمت کس طرح انجام دی۔ اس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنیئے۔ جسے علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"جب زینبؓ کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' زیدؓ ' مجھے تم سے زیادہ کسی پر اعتماد نہیں لہٰذا تم زینبؓ کے پاس جاؤ۔ اور میری طرف سے ان کو نکاح کا پیغام پہنچاؤ۔ میں آپؐ کے ارشاد کے مطابق زینبؓ کے ہاں گیا۔ وہ اس وقت آٹا گوندھ رہی تھیں۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو ان کی ذات کے متعلق میرے دل میں احترام کے جذبات موجزن ہوگئے کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضورؐ ان سے نکاح کرنے والے ہیں۔ احترام و عقیدت کے انہی جذبات کے تحت میں انہیں نظر بھر کر نہ دیکھ سکا۔ میں اپنی ایڑیوں کے بل مڑ گیا اور ان کی طرف پیٹھ کرکے نہایت ادب سے کہا" زینبؓ ' تمہیں بشارت ہو کہ رسول اللہ تمہارا ذکر فرماتے ہیں اور نکاح کا پیغام دیتے ہیں۔" یہ سن کر بولیں۔ "میں اس وقت تک کچھ نہ کہوں گی جب تک استخارے کے ذریعے اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں۔" یہ کہہ کر وہ مصلے پر کھڑی ہوگئیں اور نماز پڑھنے لگیں۔"

ایک طرف اللہ کی یہ نیک' عبادت گزار ' شب بیدار اور خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کرنے والی بندی اپنے معبود حقیقی سے رازونیاز کی باتوں میں اور اسی کی رحمت و عنایت پر بے پناہ بھروسہ کرکے اپنے مستقبل کے بارے میں اس سے رہنمائی کی طلب میں سراپا عجز و نیاز بنی ہوئی تھی۔ دوسری طرف اس کی التجا اور اس کے استخارے کے جواب میں اسی کریم و رحیم ذات کی

بارگاہ سے رسول اللہ پر وحی کے ذریعے یہ آیت نازل ہو رہی تھی:

"جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا (یعنی اس کی طلاق کی عدت پوری ہو گئی) تو اے پیارے نبیؐ" ہم نے اس مطلقہ خاتون کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہئے۔ نبیؐ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ یہی اللہ کی سنت ان سب انبیاء کے معاملے میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔" (سورہ احزاب آیت۔ ۳۷، ۳۸)

اس بشارت پر سیدہ کا اظہار تشکر

یہ بشارت ایک صاحب ایمان خاتون کے لئے سب سے اہم اور سب سے عظیم خوشخبری تھی کہ اس کا نکاح خود خالق ارض و سما نے اپنے محبوب ترین نبیؐ کے ساتھ کرنے کا اعلان وحی کے ذریعے کیا اور جو اعلان قیامت تک منبروں اور محرابوں سے گونجنے والا اور نمازوں میں تلاوت کیا جانے والا تھا۔ اس پر خدا کی رحمت پر غیر متزلزل ایمان رکھنے والی خوش بخت عفیفہ کی طرف سے خوش گوار رد عمل کا اظہار یقینی امر تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں طبقات ابن سعد میں کئی راویوں کے بیانات موجود ہیں جن میں سے چند کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ جب سیدہ زینبؓ کو مذکورہ بالا آیت کے نزول کی خبر ملی تو وہ جذبات تشکر و امتنان سے سرشار ہو کر اپنے مولائے حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئیں۔

۲۔ حضرت یحییٰ بن حبان بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید میں سیدہ زینبؓ کے نکاح کے متعلق آیت نازل ہوئی تو حضورؐ کی خادمہ سلمیٰ دوڑتی ہوئی ان کے پاس آئیں اور یہ بشارت سنائی' اس پر سیدہ نے خوش ہوکر انعام کے طور پر اسے اپنے بازو بند عنایت فرمادیئے۔

۳۔ سیدہ زینبؓ کے حقیقی بھتیجے محمد بن عبداللہ بن جحش اپنی پھوپھی کا بیان روایت کرتے ہیں جس میں وہ فرماتی ہیں کہ "جب نکاح کی بشارت لے کر میرے پاس قاصد آیا تو میں نے دو ماہ کے روزوں کی نذر مان لی جو میں نے ان دنوں میں رکھے جب حضورؐ سفر میں ہوتے اور میں گھر پر ہی مقیم ہوتی تھی۔"

سیدہ کے گھر حضورؐ کی تشریف آوری

رسولؐ اللہ کے خادم خاص حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکاح کے اس اعلان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینبؓ کے گھر تشریف لائے اور آپؐ اجازت لئے بغیر گھر میں داخل ہوگئے کیونکہ سیدہ اب خدائے عزوجل کے فیصلے کے مطابق آپؐ کے عقد نکاح میں آکر ازواج مطہرات کے مقدس گروہ میں شامل ہوچکی تھیں۔ اب سیدہ کا گھر نبیؐ کے گھروں میں سے ایک گھر بن چکا تھا۔

شاندار ولیمہ

سیدہ زینبؓ کے حضورؐ کے ساتھ نکاح کی جہاں یہ خصوصیت ہے کہ یہ نکاح زمین پر نہیں بلکہ عالم بالا میں منعقد ہوا۔ اسی طرح اس کی نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شادی کا ولیمہ

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ

۱۶	چادر اور چاردیواری کے تقدس کا تحفظ	۷۱
۱۷	پروپیگنڈے کا طوفان	۷۲
۱۸	مخالفین کے تین اہم اعتراضات	۷۹
۱۹	اعتراضات کے جوابات	۷۸
۲۰	نکاح کے وقت سیدہؓ کی عمر	۸۰
۲۱	سیدہؓ کی للہیت کی تصدیق	۸۱
۲۲	حق گوئی	۸۱
۲۳	سیدہ زینبؓ اور آیت تحریم	۸۲
۲۴	آفتاب نبوت سے فیض یابی	۸۴
۲۵	سیدہ زینبؓ کی سیرت کا اہم پہلو	۸۵
۲۶	وفات	۸۷

بردہ بنت رافعؓ بیان کرتی ہیں:

" خلیفہ راشد حضرت عمرفاروقؓ نے بارہ ہزار درہم کی رقم سیدہؓ کی خدمت میں بھیجی۔ اسے دیکھ کر بولیں" میری بہنیں اس کی مجھ سے زیادہ مستحق ہیں۔" بتایا گیا یہ سب کچھ صرف آپ کے لئے ہے۔۔ یہ سن کر مجھے فرمایا"اس پر کپڑا ڈال دو اور تقسیم کرنا شروع کردو۔" میں آپ کی ہدایت کے مطابق مٹھی بھر بھر کر درہم گھروں میں پہنچاتی رہی۔ ان میں کچھ آپ کے عزیز تھے اور کچھ یتیم۔ پھر بھی کپڑے کے نیچے کچھ رقم رہ گئی۔ میں نے عرض کیا" ام المومنینؓ ' اس میں میرا بھی تو حق ہے۔" فرمایا"جو کچھ باقی ہے وہ تم لے لو۔" میں نے کپڑے کے نیچے چھپے ہوئے باقی درہم سمیٹ لئے۔ گنے تو وہ پچاسی تھے۔ پوری رقم تقسیم کرنے کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی:" الٰہ العالمین ' اگلے سال وظیفہ کی یہ رقم مجھے نہ ملے کیونکہ یہ فتنہ ہے:"

بارگاہ رب العزت میں یہ پرسوز دعا قبول ہوئی اور اسی سال وہ اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔"

یہ بلند حوصلہ' سیر چشم' پیکر جود و سخا اور مجسمہ بے نیازی و استغناء خاتون سیدہ زینب بنت حجش تھیں جن کو ام المومنین ہونے کا شرف اس انداز میں حاصل ہوا کہ خود شہنشاہ کائنات نے ان کا نکاح اپنے آخری اور محبوب رسولؐ کے ساتھ کرنے کا اعلان کیا۔ اور جن کی ذات اور جن کی شخصیت کئی ظالمانہ اور غیر منصفانہ سماجی رسوم کے استیصال اور کئی تاریخ ساز انقلابی اصلاحات کا وسیلہ بنی۔ اسی اعزاز و اکرام نے سیدہ موصوفہ کو پوری نوع انسانی کی محسنہ کے قابل رشک اور لائق قدر منصب پر فائز کردیا۔

خاندانی حالات

سیدہ زینبؓ کے والد گرامی کا نام حجش تھا۔ علامہ ابن سعد اور دوسرے مورخین نے ان کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

زینب بنت حجش بن رباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

اس طرح باپ کی طرف سے ان کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا اور ماں کی طرف سے قبیلہ بنی ہاشم سے کیونکہ ان کی والدہ حضورؐ کی پھوپھی حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔

سیدہ کو اسلام کے ابتدائی دور میں ہی ایمان کی نعمت سے فیض یاب ہونے کا شرف حاصل ہوگیا تھا۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینے تشریف لائے تو سیدہ زینبؓ بھی اپنے خاندان والوں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچیں۔ رشتے کی قرابت کی بناپر وہ حضورؐ کی کفالت اور سرپرستی میں رہیں۔

زیدؓ بن حارثہ سے شادی کے لئے پیغام

۴ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کا نکاح اپنے منہ بولے لاڈلے بیٹے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ کرنے کا ارادہ کیا اور اس کا پیغام بھی بھیجا جس پر سیدہ زینبؓ اور ان کے خاندان کے لوگوں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ان کا موقف تھا کہ ایک اونچے خاندان کی شریف زادی کا جوڑ ایک آزاد شدہ غلام کے ساتھ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق اس پیغام نکاح کے جواب میں سیدہ نے اپنی رائے اس طرح ظاہر کی تھی:

"میں زیدؓ کو اپنے لئے پسند نہیں کرتی کیونکہ نسب کے لحاظ سے میں اس سے بہتر ہوں۔"

حضرت زیدؓ باپ کی طرف سے قبیلہ بنی کلب اور ماں کی طرف سے قبیلہ بنی طے کے چشم و چراغ تھے۔ یہ دونوں قبیلے عرب کے معزز اور باوقار قبائل میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن زیدؓ بچپن میں ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گئے۔ انہوں نے عکاظ کے بازار میں انہیں غلام کی حیثیت سے فروخت کردیا۔ خریدنے والے سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ وہ انہیں چار سو درہم میں خرید کر مکے لے آئے اور اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کردیا۔ جب ان کی شادی حضورؐ سے ہوئی تو آپؐ نے اس ہونہار لڑکے کے اطوار و خصائل پسند کرتے ہوئے اسے اپنے لئے مانگ لیا۔ آپؐ کی شفقت و محبت اور لطف و ملائمت نے زیدؓ کے دل میں وابستگی و وارفتگی کی وہ کیفیت پیدا کی کہ جب کئی سال کی تلاش و جستجو کے بعد ان کے والد اور چچا مکے آئے اور حضورؐ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ جتنا فدیہ چاہیں لے لیں مگر ہمارے بچے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ اس موقع پر زیدؓ نے جو کچھ کہا تھا

تاریخ نے اسے اپنے ریکارڈ میں محفوظ کرلیا ہے۔ انہوں نے حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"میرے آقا، آپ کی ذات گرامی پر اب میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ خدا کے لئے مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کیجئے۔"

زیدؓ کے اس نیازمندانہ اور وفاشعارانہ طرز عمل سے حضورؐ اتنے خوش ہوئے کہ آپؐ نے اسی وقت ان کی آزادی کا اعلان کردیا اور اپنے ساتھ حرم میں لے جاکر لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے گروہ قریش، گواہ رہنا کہ زیدؓ آج سے میرا بیٹا ہے۔ میں اس کا وارث ہوں اور یہ میرا وارث ہوگا۔"

اس اعلان عام کے بعد لوگ انہیں زیدؓ بن محمدؐ کہہ کر پکارنے لگے۔ زیدؓ کے باپ اور چچا اپنے بیٹے کو لطف و کرم کی ان شاداب بہاروں میں خوش و خرم دیکھ کر خوشی خوشی واپس چلے گئے۔

یہ واقعہ اعلان نبوت سے پہلے کا تھا۔ اب نکاح کے اس پیغام کے وقت حضرت زیدؓ کی سماجی حیثیت کسی لحاظ سے بھی فروتر نہ تھی۔ نسبی لحاظ سے ان کا تعلق عرب کے ممتاز قبائل سے تھا۔ اس کے علاوہ اب انہیں دنیا کے معزز ترین انسان کی رفاقت و مصاحبت اور نسبت و تعلق کا اعزاز بھی حاصل ہوچکا تھا۔ ان تمام خوبیوں اور کمالات کے باوجود ان پر ایک وقت جبری غلامی کا ایسا دھبہ لگ چکا تھا جس میں ان کے اختیار اوران کے ارادے کو کوئی دخل نہ تھا۔ لیکن عرب کا معاشرہ اپنے دستور اور اپنی روایات کے پیش نظر انہیں آزاد انسانوں کے برابر عزت و وقار کا مقام دینے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس ظالمانہ رواج نے نامعلوم کتنے بے قصور انسانوں کو انسانی شرف و احترام

کے بلند مقام سے گرا کر ذلت و خواری کے تاریک غاروں میں دھکیل دیا تھا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مساوات انسانی کے علمبردار اور ہر قسم کی غیر فطری اونچ نیچ اور غیر اخلاقی تفریق کو مٹا دینے کی عالمگیر تحریک کے قائد تھے اور جنہوں نے پوری نوع انسانی کے سامنے تقویٰ کو شرافت و بزرگی کا معیار قرار دیا تھا معاشرے میں پائے جانے والے اس جاہلانہ تصور کی بیخ کنی کا مصمم ارادہ کرلیا۔ سیدہ زینبؓ اور ان کے اہل خاندان کی ناپسندیدگی کے باوجود اس نکاح پر اصرار کیا اور خود خدائے ذوالجلال نے اپنے رسولؐ کے فیصلے کی اس طرح تائید و توثیق کی:

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردے، پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔" (سورہ احزاب آیت ۳۶)

اس ارشاد خداوندی کو سنتے ہی سیدہ زینبؓ اور ان کے گھر والوں نے اطاعت کے لئے سر جھکا دیا۔ اس کے بعد خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح پڑھایا اور حضرت زیدؓ کی طرف سے دس دینار اور ساٹھ درہم مہر کے طور پر ادا کئے۔ اس وقت تک حضرت زیدؓ حضورؐ کے گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے آپؐ کے ساتھ ہی رہتے تھے لیکن اس شادی کے بعد ان کی رہائش کے لئے حضورؐ نے علیحدہ مکان کا بندوبست کیا اور اس نئے جوڑے کی ضروریات کے لئے کھانے پینے کے سامان کے علاوہ کپڑے بھی بھجوائے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کی قریب ترین رشتے دار خاتون، جس کی عالی نسبی پورے معاشرے میں مسلم تھی، کی شادی ایک

آزاد شدہ غلام کے ساتھ کر کے دنیائے انسانیت پر وہ عظیم احسان کیا جس کی بدولت جبری اور عارضی غلامی کی ذلت کی بدنما سیاہی ہمیشہ کے لئے دھل گئی۔ اور بے شمار بندگان خدا جو بے بسی اور بے کسی کی غلامی کے بدنما داغوں کی وجہ سے انسانیت کے شرف و وقار سے محروم ہو چکے تھے پھر عزت و سعادت کے اعلےٰ مقام تک پہنچ گئے۔

امت مسلمہ کے لئے رہنما اصول

جس طرح یہ شادی انسانیت کے ایک پس ماندہ طبقہ کی بحالی اور سرفرازی کا موجب بنی اسی طرح اس موقع پر جو آیت نازل ہوئی اس نے امت مسلمہ کے لئے اسلامی آئین کا ایک ایسا رہنما اصول مقرر کردیا جس کا اطلاق پورے نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اس کی رو سے کسی مسلمان فرد یا ادارے' یا قوم یا جماعت بلکہ مسلم ریاست کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا کوئی حکم ثابت ہو اس میں خود اپنی رائے کی آزادی استعمال کرے۔

ایک اہم نکتہ

اکثر قدیم و جدید سیرت نگار سیدہ زینبؓ کے تذکرے میں سرسری طور پر بیان کردیتے ہیں کہ ان کی پہلی شادی حضرت زیدؓ سے ہوئی۔ لیکن ساتھ ہی وہ اس امر پر بھی متفق ہیں کہ اس شادی کے وقت سیدہ کی عمر چونتیس سال تھی۔ واقعہ کے اس انداز روایت سے تاریخ و سیرت کے ایک طالب علم کو ایک الجھن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سیدہ زینبؓ کا تعلق ایک اونچے گھرانے سے تھا۔ روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نسوانی

حسن و جمال اور اپنی سلیقہ شعاری کی صلاحیت میں اپنے دور کی کسی خاتون سے کم تر نہ تھیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اپنی عمر کے چونتیس سال تک رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے محروم رہیں حالانکہ اس وقت اونچے اور شریف خاندانوں میں اپنی بچیوں کو دس بارہ سال کی عمر میں بیاہ دینے کا عام رواج تھا۔

اس اشکال کا جزوی حل تو سیدہ کے بھتیجے عثمان کی اس روایت سے سامنے آجاتا ہے جسے علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں نقل کیا ہے اور جو اس طرح ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لائے تو سیدہ زینبؓ بھی ہجرت کرکے وہاں آگئیں۔ وہ حسین تھیں۔ آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کے لئے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ بولیں۔ "یارسول اللہ" میں انہیں اپنے لئے پسند نہیں کرتی، میں قریش خاندان کی ایک بیوہ ہوں۔" آپؐ نے فرمایا "میں انہیں تمہارے لئے پسند کرتا ہوں۔" پھر آپؐ نے ان کا زیدؓ سے نکاح کردیا۔

مندرجہ بالا روایت سے یہ تو واضح ہوجاتا ہے کہ اس شادی کے وقت سیدہ کنواری نہیں بلکہ بیوہ تھیں۔ لیکن اس سے پہلے ان کی شادی کس کے ساتھ ہوئی تھی؟ اس سوال کے جواب کے متعلق تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں (اگر کوئی صاحب علم اپنی تحقیق کی بنیاد پر اس کی نشاندہی کرسکے تو علمی دنیا پر ایک احسان ہوگا۔)

طبیعتوں کا اختلاف اور اس کے اثرات

طبائع کی بنا پر یہ رشتہ باہمی مودت و الفت کا ذریعہ نہ بن سکا۔ حضرت زیدؓ بڑے بردبار اور حلیم الطبع انسان تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس سے پہلے ان کے نکاح میں حضرۃ ام ایمنؓ تھیں جو بیوہ تھیں۔ حبشی نژاد تھیں اور عمر میں بھی ان سے کافی بڑی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کا گھر باہمی الفت و تعاون کی وجہ سے امن و سکون کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ اس کے برعکس سیدہ زینبؓ اپنے دل سے اس احساس کو نہ مٹا سکیں کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام اور ان کے خاندان کے پروردہ ہیں اور وہ خود ایک اونچے اور اعلیٰ خاندان کی لخت جگر ہیں۔ اسی احساس اور اسی سوچ کی وجہ سے انہوں نے حضرت زید کو عائلی زندگی میں کبھی اپنے برابر کا نہ سمجھا۔ یہ صورت حال تلخیاں اور شکر رنجیاں پیدا کرتی رہی۔ حضرت زیدؓ نے بارہا اپنے محسن و مربی کی خدمت میں ان تلخ اور ناخوش گوار حالات کا تذکرہ کیا۔ لیکن آپؐ نے ہمیشہ صبرو تحمل اور اپنی بیوی سے حسن سلوک کی تلقین فرمائی جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

"اے نبی، یاد کرو وہ موقع جب تم اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو اور اللہ سے ڈرو۔"
(سورہ احزاب آیت ۳۷)

شکر رنجیوں کا نتیجہ

آخر کار میاں بیوی کی باہمی شکر رنجیاں اپنا رنگ لاکر رہیں۔ کوئی تلقین، کوئی نصیحت اور کوئی تدبیر ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکی۔ حضرت زیدؓ نے تنگ آکر شادی کے ایک سال بعد ۵ ھ میں سیدہ کو طلاق دے دی۔ طلاق

آپؐ نے ہی زور دے کر یہ رشتہ کرایا تھا۔ دوسری طرف سیدہ کے اہل خاندان بھی بے حد ملول و مغموم ہوئے کیونکہ ان کی صاحبزادی کو طلاق کی ذلت برداشت کرنا پڑی تھی۔

اشارہ غیبی

جن دنوں حضرت زیدؓ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے متعلق سوچ رہے تھے انہی دنوں عالم بالا سے حضورؐ کو اشارہ مل رہا تھا کہ اس طلاق کے بعد آپؐ کو سیدہ زینبؓ سے نکاح کرنا ہوگا تاکہ تبنیت (گود لینے) کی قدیم جاہلانہ اور غیر منصفانہ رسم کے بت پر ایسی کاری ضرب لگے جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ اس غیر حقیقت پسندانہ رواج کے زہریلے اور شرانگیز اثرات سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجائے۔

تبنیت کی حقیقت اور اس کی تباہ کاریاں

دوسرے ملکوں کی طرح عرب میں بھی دوسرے کے بچے کو گود لے لینے اور اسے منہ بولا بیٹا بنالینے کا عام رواج تھا۔ عرب کے لوگ اس رسم کے تحت جس بچے کو متبنی بنا لیتے تھے وہ بالکل حقیقی اولاد کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اسے وراثت ملتی تھی ۔ اس سے منہ بولی ماں اور منہ بولی بہنیں وہی میل جول رکھتی تھیں جو حقیقی بیٹے اور سگے بھائی کے ساتھ رکھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ منہ بولے باپ کی بیٹیوں سے اور اس منہ بولے باپ کے مرجانے کے بعد اس کی بیوہ سے نکاح اسی طرح ناجائز سمجھا جاتا تھا جس طرح سگی بہن اور حقیقی ماں سے کسی کا نکاح حرام ہوتا ہے اور یہی معاملہ اس صورت میں بھی کیا جاتا تھا جب منہ بولا بیٹا مر جاتا یا اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا تو منہ بولے

باپ کے لئے وہ عورت اس کی بہو کی طرح سمجھی جاتی تھی۔ یہ رسم قدم قدم پر نکاح و طلاق اور وراثت کے ان احکام و قوانین سے ٹکراتی تھی جو سورہ بقرہ اور سورہ النساء میں بیان ہوئے تھے۔ ان کی رو سے جو اشخاص حقیقت میں وراثت کے حقدار تھے یہ رسم ان کو محروم کرکے ایک ایسے شخص کو دلواتی تھی جو سرے سے کوئی حق نہ رکھتا تھا۔ ان خدائی احکام کی روشنی میں جن مردوں اور عورتوں کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم کرنا حلال تھا یہ خود ساختہ رسم ان کے باہمی نکاح کو حرام قرار دے دیتی تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی قانون جن بداخلاقیوں کا قلع قمع کرنا چاہتا تھا یہ رسم ان کے پھیلانے اور فروغ دینے میں مددگار ثابت ہورہی تھی کیونکہ منہ بولے رشتے کے مصنوعی تقدس پر بھروسہ کرتے ہوئے اگر منہ بولی بیٹی ' منہ بولی بہن اور منہ بولی ماں کے ساتھ آزادانہ میل جول اور اختلاط کی اسی طرح اجازت ہو جس طرح حقیقی بیٹی' سگی بہن اور اصلی ماں کے ساتھ ہوتی ہے تو اس کے برے اور اخلاق سوز نتائج پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اب اسلام اصلاح معاشرہ کی جو انقلاب آفرین سکیم پیش کررہا تھا اس کی بنا پر یہ لازمی تھا کہ متبنی (گود لئے ہوئے) کو حقیقی اولاد کی طرح سمجھنے کے تصور اور تخیل کا مکمل استیصال کردیا جائے۔ چنانچہ فرمان خداوندی جاری ہوا:

" خدا نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا ہے۔ یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم اپنے منہ سے نکال دیتے ہو۔ مگر اللہ وہ بات کہتا ہے جو مبنی بر حقیقت ہے اور وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ بات ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۴' ۵)

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ پہلے لوگ زیدؓ کو زیدؓ بن محمدؐ کہتے تھے۔ لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد زیدؓ بن حارثہ کہنے لگے۔

ذہنی کش مکش

حضرت زیدؓ نے سیدہ زینبؓ کو طلاق دے دی۔ اب ایک طرف حضورؐ کو اشارہ ہو رہا تھا کہ عدت کی مدت پوری ہونے کے بعد آپؐ سیدہؓ کو اپنے نکاح میں لے آئیں تاکہ آپؐ کے اس اقدام سے رسم تبنیت (گود لینے) کے متعلق صدیوں سے ذہنوں میں جمے ہوئے تصورات کا کلی خاتمہ ہو اور منہ بولے رشتے کی وجہ سے شریعت حقہ کی طرف سے نکاح کے لئے حلال کردہ رشتوں کے بارے میں دلوں میں کراہت و حرمت کے جو توہمات جاگزیں ہو گئے ہیں انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ نیز سیدہ زینبؓ اور ان کے خاندان کے افراد جو اس وقت سخت غم و اضطراب کی کیفیت سے دوچار تھے ان کی دلجوئی کا تقاضا بھی یہ تھا کہ آپؐ خود آگے بڑھ کر سیدہ کو اپنے حرم میں داخل فرمائیں۔ اس کے باوجود آپؐ اس سلسلے میں قدم اٹھاتے ہوئے جھجک رہے تھے کیونکہ آپؐ کو یقین تھا کہ کفار و منافقین جو آپؐ کی مسلسل کامیابیوں کی وجہ سے پہلے ہی جلے بیٹھے تھے وہ اس اقدام کو اسلامی تحریک کے خلاف ایک زبردست ہتھیار کے طور پر استعمال کریں گے۔ آپؐ کو اس میں صرف اپنی بدنامی کا ہی خوف نہ تھا بلکہ اندیشہ تھا کہ مخالفانہ پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے وہ لوگ جو حق و باطل کی اس کشمکش میں غیر جانبدار ہیں یا اسلام کی طرف مائل ہیں بدگمان ہو کر دشمنوں سے جا ملیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کمزور عقل و ذہن کے مالک کچھ مسلمان بھی اس زہریلے پراپیگنڈے کی

اپنے پیارے رسول کی اس ذہنی کشمکش کی حالت و کیفیت ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"اس وقت تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا ہے۔ تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔" (احزاب آیت ۳۷)

کشمکش کا خاتمہ

اس کائنات کا مختار مطلق، جس نے اپنے آخری نبیؐ کو فلاح انسانیت کے بلند اور ارفع مشن کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمایا تھا اور جس کی ہدایت و رہنمائی اور جس کی حفاظت و سرپرستی کا ذمہ خود لیا تھا' وہ اسے مسلسل بے چینی اور کشمکش کی روح سوز اور جاں گداز حالت میں کیسے چھوڑ سکتا تھا! اس نے اس میں یکسوئی و دلجمعی کی ہمت افزا کیفیت ابھارنے اور پیدا کرنے کی خاطر براہ راست اس طرح رہنمائی فرمائی:

"اے پیارے نبیؐ اللہ سے ڈرو۔ اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو۔ حقیقت میں علیم اور حکیم اللہ ہی ہے۔ پیروی کرو اس بات کی جس کا اشارہ تمہارے رب کی طرف سے تمہیں کیا جارہا ہے۔ اللہ ہر اس بات سے باخبر ہے جو تم لوگ کرتے ہو۔ اللہ پر توکل کرو۔ اللہ وکیل ہونے کے لئے کافی ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۱'۲)

نکاح کا پیغام

رب العلمین کی واضح ہدایات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینبؓ کو اپنی طرف سے نکاح کا پیغام بھیجنے کا فیصلہ کیا اور یہ

خدمت حضرت زیدؓ بن حارثہ ہی کے سپرد کی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابھی تک پردے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ حضرت زیدؓ نے یہ خدمت کس طرح انجام دی۔ اس کی تفصیل خود ان کی زبانی سنیئے۔ جسے علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات' میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"جب زینبؓ کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا 'زیدؓ' مجھے تم سے زیادہ کسی پر اعتماد نہیں لہٰذا تم زینبؓ کے پاس جاؤ۔ اور میری طرف سے ان کو نکاح کا پیغام پہنچاؤ۔ میں آپؐ کے ارشاد کے مطابق زینبؓ کے ہاں گیا۔ وہ اس وقت آٹا گوندھ رہی تھیں۔ جب میں نے انہیں دیکھا تو ان کی ذات کے متعلق میرے دل میں احترام کے جذبات موجزن ہوگئے کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضورؐ ان سے نکاح کرنے والے ہیں۔ احترام و عقیدت کے انہی جذبات کے تحت میں انہیں نظر بھر کر نہ دیکھ سکا۔ میں اپنی ایڑیوں کے بل مڑ گیا اور ان کی طرف پیٹھ کرکے نہایت ادب سے کہا" زینبؓ' تمہیں بشارت ہو کہ رسول اللہ تمہارا ذکر فرماتے ہیں اور نکاح کا پیغام دیتے ہیں۔" یہ سن کر بولیں۔ "میں اس وقت تک کچھ نہ کہوں گی جب تک استخارے کے ذریعے اپنے رب سے مشورہ نہ کرلوں۔" یہ کہہ کر وہ مصلے پر کھڑی ہوگئیں اور نماز پڑھنے لگیں۔"

ایک طرف اللہ کی یہ نیک' عبادت گزار' شب بیدار اور خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کرنے والی بندی اپنے معبود حقیقی سے راز و نیاز کی باتوں میں اور اسی کی رحمت و عنایت پر بے پناہ بھروسہ کرکے اپنے مستقبل کے بارے میں اس سے رہنمائی کی طلب میں سراپا عجز و نیاز بنی ہوئی تھی۔ دوسری طرف اس کی التجا اور اس کے استخارے کے جواب میں اسی کریم و رحیم ذات کی

بارگاہ سے رسول اللہ پر وحی کے ذریعے یہ آیت نازل ہو رہی تھی:

" جب زیدؓ اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا (یعنی اس کی طلاق کی عدت پوری ہوگئی) تو اے پیارے نبیؐ" ہم نے اس مطلقہ خاتون کا نکاح تم سے کروا دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہئے۔ نبیؐ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ یہی اللہ کی سنت ان سب انبیاء کے معاملے میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔" (سورہ احزاب آیت۔ ۳۸،۳۷)

اس بشارت پر سیدہ کا اظہار تشکر

یہ بشارت ایک صاحب ایمان خاتون کے لئے سب سے اہم اور سب سے عظیم خوشخبری تھی کہ اس کا نکاح خود خالق ارض و سما نے اپنے محبوب ترین نبیؐ کے ساتھ کرنے کا اعلان وحی کے ذریعے کیا اور جو اعلان قیامت تک منبروں اور محرابوں سے گونجنے والا اور نمازوں میں تلاوت کیا جانے والا تھا۔ اس پر خدا کی رحمت پر غیر متزلزل ایمان رکھنے والی خوش بخت عفیفہ کی طرف سے خوش گوار رد عمل کا اظہار یقینی امر تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں طبقات ابن سعد میں کئی راویوں کے بیانات موجود ہیں جن میں سے چند کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ جب سیدہ زینبؓ کو مذکورہ بالا آیت کے نزول کی خبر ملی تو وہ جذبات تشکر و امتنان سے سرشار ہو کر اپنے مولائے حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو گئیں۔

۲۔ حضرت یحییٰ بن حبان بیان کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید میں سیدہ زینبؓ کے نکاح کے متعلق آیت نازل ہوئی تو حضورؐ کی خادمہ سلمیٰ دوڑتی ہوئی ان کے پاس آئیں اور یہ بشارت سنائی' اس پر سیدہ نے خوش ہو کر انعام کے طور پر اسے اپنے بازو بند عنایت فرمادیئے۔

۳۔ سیدہ زینبؓ کے حقیقی بھتیجے محمد بن عبداللہ بن جحش اپنی پھوپھی کا بیان روایت کرتے ہیں جس میں وہ فرماتی ہیں کہ "جب نکاح کی بشارت لے کر میرے پاس قاصد آیا تو میں نے دو ماہ کے روزوں کی نذر مان لی جو میں نے ان دنوں میں رکھے جب حضورؐ سفر میں ہوتے اور میں گھر پر ہی مقیم ہوتی تھی۔"

سیدہ کے گھر حضورؐ کی تشریف آوری

رسولؐ اللہ کے خادم خاص حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نکاح کے اس اعلان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینبؓ کے گھر تشریف لائے اور آپؐ اجازت لئے بغیر گھر میں داخل ہو گئے کیونکہ سیدہ اب خدائے عزوجل کے فیصلے کے مطابق آپؐ کے عقد نکاح میں آکر ازواج مطہرات کے مقدس گروہ میں شامل ہو چکی تھیں۔ اب سیدہ کا گھر نبیؐ کے گھروں میں سے ایک گھر بن چکا تھا۔

شاندار ولیمہ

سیدہ زینبؓ کے حضورؐ کے ساتھ نکاح کی جہاں یہ خصوصیت ہے کہ یہ نکاح زمین پر نہیں بلکہ عالم بالا میں منعقد ہوا۔ اسی طرح اس کی نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شادی کا ولیمہ

بھی بڑے وسیع پیمانے پر کیا جس کی تفصیل امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت کے حوالے سے بیان کی ہے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں:

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی کا ایسا ولیمہ نہیں کیا جیسا ولیمہ ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش کا کیا۔ اس موقع پر آپؐ نے ایک بکری ذبح کر کے دعوت ولیمہ کی۔"

وہ مزید بیان کرتے ہیں:

" جب حضورؐ نے سیدہ زینبؓ سے شادی کی تو میری والدہ ام سلیمؓ مجھ سے کہنے لگیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ آج ہم آپؐ کی خدمت میں کوئی تحفہ پیش کرتے۔ میں نے بھی ان کی تائید کی اور کہا کہ ضرور بھیجو۔ چنانچہ انہوں نے کچھ کھجوریں، گھی اور پنیر لیا اور سب چیزوں کو پتھر کی ایک ہانڈی میں ڈال کر مالیدہ بنایا اور میرے ہاتھ آپؐ کی خدمت میں بھیجا۔ جب میں وہ لے کر آپؐ کے پاس پہنچا تو آپؐ نے فرمایا۔" اسے رکھ دو۔" اور کچھ لوگوں کے نام بتا کر فرمایا کہ ان کو بلا لاؤ۔ اور ان کے علاوہ جو بھی تمہیں ملے اسے بھی دعوت دے دینا۔ میں نے آپؐ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ جب واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ حضورؐ نے اپنا دست مبارک مالیدے پر رکھ کر کچھ کلام جو خدا نے چاہا پڑھا۔ پھر آپؐ نے دس دس آدمیوں کو بلانا شروع کیا۔ انہیں فرماتے کہ بسم اللہ پڑھ کر اپنے سامنے سے کھاؤ۔

اسی ولیمے کے متعلق علامہ ابن سعد نے طبقات میں حضرت انسؓ کی جو تفصیلی روایت نقل کی ہے اس میں وہ بیان کرتے ہیں:

" میری والدہ ام سلیمؓ نے مالیدہ تیار کر کے ایک تھالی میں بھر دیا۔ ان

کے خیال میں وہ آپؐ کے اور آپؐ کی دولہن کے لئے کافی تھا۔ میں اسے لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اسے رکھ دو اور ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور دوسرے چند لوگوں کو بلا لاؤ۔" مجھے حیرت ہوئی کہ کھانا تھوڑا سا ہے اور آپؐ نے اتنے آدمیوں کو دعوت دے دی ہے۔ میں سب کو جا کر لے آیا۔ پھر فرمایا کہ دیکھو اگر مسجد میں کوئی موجود ہو تو اسے بھی بلا لاؤ۔ چنانچہ میں مسجد میں گیا۔ سب نمازیوں اور سونے والوں کو لے آیا حتیٰ کہ گھر لوگوں سے بھر گیا۔ پوچھا "مسجد میں کوئی باقی تو نہیں رہا؟" میں نے عرض کیا نہیں، اس کے بعد فرمایا کہ جو راستے میں ہو اسے بھی لے آؤ۔ میں رہ چلتوں کو بھی لے آیا۔ حجرہ کھچا کھچ بھر گیا۔ اس کے بعد آپ نے مالیدے کی پلیٹ اٹھا کر لانے کو کہا۔ میں نے اسے آپؐ کے سامنے رکھ دیا۔ آپؐ نے اس پر اپنی تین انگلیاں رکھیں اور اسے دبایا اور لوگوں سے کہا کہ بسم اللہ کر کے کھاؤ۔ میں نے مالیدے کو دیکھا وہ چشمے کے پانی کی طرح ابل رہا تھا۔ گھر اور حجرے میں موجود تمام لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اور پلیٹ اتنی ہی بھری ہوئی تھی جتنی میں لے کر آیا تھا۔ اس کے بعد مالیدے کی یہ پلیٹ میں نے ام المومنین کے سامنے رکھ دی اور یہ حیرت انگیز واقعہ اپنی ماں کو سنانے کے لئے گھر چلا گیا۔ وہ سن کر بولیں۔ "بیٹا، تعجب نہ کرو۔ اگر حضورؐ مدینے کے تمام لوگوں کو بھی کھلانا چاہتے تو ان کے لئے بھی یہ کھانا کافی ہو جاتا۔"

کسی نے حضرت انسؓ سے پوچھا۔ "تمہارے خیال میں کھانے والے کتنے آدمی تھے؟" بولے کہ مجھے ۷۱ آدمیوں کا تو یقین ہے اور ۷۲ کا شبہ ہے۔

یہ ولیمہ معاشرتی اصلاح کا ذریعہ ثابت ہوا

عرب کے غیر مہذب اور جاہل معاشرے میں کچھ رواج اور کچھ طریقے

ایسے رائج تھے جو بے شمار اخلاقی اور معاشرتی مفاسد پیدا کرنے کے موجب بنے ہوئے تھے۔ مثلاً:

۱۔ عرب کے لوگ بے تکلف ایک دوسرے کے گھر میں چلے جاتے تھے۔ اگر کسی شخص کو کسی سے ملنا ہوتا تو وہ دروازے پر کھڑے ہو کر پکارنے اور اجازت لے کر اندر جانے کا پابند نہ تھا۔ بلکہ اندر جاکر عورتوں اور بچوں سے پوچھتا کہ صاحب خانہ گھر میں ہے یا نہیں؟

۲۔ جو ناشائستہ اور ناپسندیدہ عادات اس وقت عام لوگوں میں پھیلی ہوئی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ کسی دوست یا واقف کے گھر کھانے کا وقت تاک کر پہنچ جاتے۔ یا اس کے گھر آکر بیٹھے رہتے یہاں تک کہ کھانے کا وقت ہو جائے۔ اس حرکت کی وجہ سے گھر والا اکثر عجیب مشکل میں پڑجاتا تھا۔ منہ پھوڑ کر کہے کہ میرے کھانے کا وقت ہے' آپ تشریف لے جائیں تو بے مروتی ہے۔ کھلائے تو آخر اچانک آنے والے کتنے آدمیوں کو کھلائے۔ ہر وقت ہر آدمی کے بس میں نہیں ہوتا کہ جب جتنے آدمی بھی اس کے ہاں آجائیں ان کے کھانے کا فوراً انتظام کرے۔

۳۔ ایک اور بے ہودہ عادت جو اس وقت کے عرب معاشرے میں عام تھی وہ یہ تھی کہ لوگ کھانے کی دعوت پر بلائے جاتے تو ان میں سے بعض کھانے سے فارغ ہو کر دھرنا مار کر بیٹھ جاتے اور بات چیت کا ایسا سلسلہ شروع کر دیتے جو ختم ہونے میں نہ آتا۔ انہیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی تھی کہ ان کے اس طرز عمل سے گھر والوں کو کتنی زحمت پیش آرہی ہے۔ ناشائستہ لوگ اپنی اس عادت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تنگ کرتے رہتے تھے۔ اور آپؐ اپنے کریمانہ اخلاق کی وجہ سے اس کو برداشت

کرتے تھے۔

(آخرکار ام المومنین سیدہ زینبؓ کی شادی کا ولیمہ ان ناشائستہ اور تکلیف دہ عادات اور معمولات کی اصلاح کا ذریعہ بن گیا۔ اور ان اصلاحات کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس گھر سے ہوا کیونکہ یہی گھر تمام اہل ایمان کے لئے نمونہ کا گھر تھا۔ ان اصلاحات کا پس منظر حضرت انسؓ کی اس روایت سے سامنے آجاتا ہے جسے بخاری، مسلم، نسائی، ابن جریر اور ابن سعد نے نقل کیا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

" رات کے وقت ولیمے کی دعوت تھی۔ عام لوگ تو کھانے سے فارغ ہوکر رخصت ہوگئے لیکن دو تین حضرات بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ تنگ آکر حضورؐ اٹھے اور ازواج مطہرات کے ہاں ایک چکر لگایا۔ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ حضرات بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؐ پھر پلٹ گئے اور ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں جا بیٹھے۔ اچھی خاصی رات گزر جانے کے بعد جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ وہ چلے گئے ہیں تب آپؐ حضرت زینبؓ کے گھر میں تشریف لائے۔ ان لوگوں کی یہ حرکت اذیت رسانی کی حد سے گزر گئی تھی۔ اس لئے ناگزیر ہوگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ان بری عادتوں پر لوگوں کو متنبہ فرمائے چنانچہ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں:

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نبیؐ کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تاکتے رہو۔ ہاں، اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ۔ مگر جب کھانا کھا لو تو منتشر ہوجاؤ۔ باتیں کرنے میں نہ لگے رہو۔ تمہاری یہ حرکتیں نبیؐ کو تکلیف دیتی ہیں۔ مگر وہ شرم کی وجہ سے کچھ نہیں کہتے۔ اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ نبیؐ کی بیویوں سے اگر کچھ مانگنا

ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے زیادہ مناسب طریقہ ہے۔ تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کو تکلیف دو اور نہ یہ جائز ہے کہ ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ تم خواہ کوئی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ کو ہر بات کا علم ہے۔

"ازواج نبیؐ کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ان کے باپ' ان کے بیٹے' ان کے بھائی' ان کے بھتیجے' ان کے بھانجے' ان کی میل جول کی عورتیں اور ان کے مملوک گھروں میں آئیں۔ اے عورتو' تمہیں اللہ کی نافرمانی سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۵۳ تا ۵۵)

اس حکم خداوندی کے بعد ام المومنین سیدہ زینبؓ اور دوسری امہات المومنین کے حجروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیئے گئے اور چونکہ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشانہ اقدس تمام مسلمانوں کے لئے نمونے کا مثالی گھر تھا اس لئے تمام مسلمانوں کے گھروں کے دروازوں پر بھی پردے لٹک گئے۔ گویا یہ اعلان عام تھا کہ اب نبیؐ اور عام مسلمانوں کے گھروں میں محرم رشتے داروں کے سوا کسی اور کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

سیدہ زینبؓ کی اس شادی کی اہمیت

قرآن مجید اور سیرت کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نکاح اللہ تعالیٰ کی اس عظیم سکیم کا حصہ تھا جو بے شمار دینی' ملی' معاشرتی اور سیاسی حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل تھی۔ اور ان شادیوں کے فیوض و برکات سے پوری نوع انسانی فیضیاب

ہوئی۔ اس نقطہ نظر سے جب ام المومنین سیدہ زینبؓ کی اس شادی پر غور کیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اس کے نتیجے میں بھی دور رس اخلاقی اور معاشرتی اصلاحات عمل میں آئیں جن کی برکت سے بلکتی اور تڑپتی انسانیت کو امن و سکون اور فلاح و سلامتی کی ضمانت حاصل ہوئی۔ اس طرح سیدہ زینبؓ کی ذات اور ان کی شخصیت انسانی معاشرے کے لئے خیرو برکت اور شرف و وقار کی پیامبر ثابت ہوئی۔

سیدہ کا یہ ذاتی اعزاز کہ وہ خدا کے پیارے اور محبوب رسولؐ کی پھوپھیری بہن تھیں اور ان کا نکاح خود مالک کائنات نے اپنے برگزیدہ نبیؐ کے ساتھ کیا۔اپنی جگہ کوئی کم اہمیت کا حامل نہیں اور اس شرف و اعزاز میں وہ تمام ازواج مطہرات میں ممتاز و منفرد ہیں۔ لیکن ان کی ذات بابرکت جن انقلابی اور تاریخ ساز اصلاحات کا موجب بنی وہ کچھ اس طرح ہیں:

(۱) انسانی مساوات کا عملی پیغام

عرب کا معاشرہ ہی نہیں بلکہ ہر ملک کی سوسائٹی ایک آزاد شدہ غلام کو ایک آزاد شخص کے برابر قانونی اور معاشرتی مرتبہ و مقام دینے کے لئے تیار نہ تھی۔ ایک آزاد شدہ غلام اپنی بے پناہ ذہنی' اخلاقی اور جسمانی صلاحیتوں کے باوجود اس انسانی اور معاشرتی عزو شرف سے محروم تھا جو ایک آزاد انسان کے لئے مخصوص تھا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ کا نکاح اپنے آزاد کروہ غلام زیدؓ کے ساتھ کرکے اس غیر انسانی اور غیراخلاقی جاہلانہ تصور کا قلع قمع کردیا۔

(۲) تبنیت کی غیر فطری رسم کی تنسیخ

کسی کے بچے کو گود لے کر اپنا منہ بولا بیٹا بنا لینے کی رسم دنیا کے ہر ملک اور ہر معاشرے میں موجود تھی۔ اس غیر فطری رسم کی کوکھ سے بے شمار معاشرتی روگ اور بے پناہ اخلاقی مفاسد جنم لے رہے تھے جس کے نتیجے میں بے انصافیوں ' حق تلفیوں ' بے راہرویوں اور بے اعتدالیوں کا ہر سو دور دورہ تھا۔ لیکن یہ رسم اتنی قدیم تھی اور اس کا تقدس ذہنوں اور دلوں میں اتنا پختہ اور راسخ ہوچکا تھا کہ اس کے خلاف آواز اٹھانا اور اسے ختم کرنے کے لئے عملی اقدامات کرنا کسی مصلح اور ریفارمر کے بس کی بات نہ تھی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ کی مطلقہ بیوی سیدہ زینبؓ سے شادی کرکے اس قدیم تصور کو جڑ سے اکھاڑ دیا اور اس طرح انسانیت کو ظلم و بے انصافی کی دلدل سے نکال کر اس کے سامنے حق و انصاف کی راہیں کشادہ کردیں۔

(۳) چادر اور چاردیواری کے تقدس کا تحفظ

ہر شخص کی یہ فطری خواہش ہے کہ اس کا گھر اور اس کی نجی زندگی اتنی محفوظ و مصؤن ہو کہ کوئی اس میں دخل اندازی نہ کرسکے۔ اگر کسی معاشرے میں نجی اور خانگی زندگی کا یہ تحفظ ختم ہوجائے تو اس میں بے چینی و بے قراری۔ کرب و اضطراب اور اخلاقی آوارگی کا عام ہوجانا لازمی امر ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدہ زینبؓ کے ولیمے کے موقع پر جو ہدایات نازل فرمائیں وہ چادر اور چاردیواری کے تقدس کی حفاظت کی مکمل طور پر ضامن ہیں۔ مثلاً:

(الف) حکم دیا گیا کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ

ہو۔

(ب) تاکید کی گئی کہ اگر کسی شخص کو خاتون خانہ سے کوئی بات کرنی ہو یا اس سے کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ پردے کے پیچھے سے مانگے۔

(ج) اس امر سے سختی سے روکا گیا کہ کوئی بلاوے کے بغیر کسی کے گھر جا کر دھرنا مار کر بیٹھ جائے اور یہ آس لگائے کہ صاحب خانہ ازراہ مروت کھانے میں شریک کرے گا۔

(د) دعوت میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد باتوں میں لگ جانا اور وہیں مجلس جمالینا سخت معیوب قرار دیا گیا کیونکہ یہ صورت گھروالوں کے لئے سخت اذیت ناک اور ناقابل برداشت حد تک تکلیف دہ ہے۔

مندرجہ بالا نکات کی بنا پر بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ام المومنین سیدہ زینبؓ کی ذات اور ان کی یہ شادی عالم انسانی کے لئے خیرو برکت اور رافت و رحمت کا موجب ثابت ہوئی۔

پروپیگنڈے کا طوفان

حضورؐ کے ساتھ سیدہ زینبؓ کی یہ شادی ہوئی تھی کہ آپؐ کے خلاف یک لخت زہریلے پروپیگنڈے کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ تمام اسلام دشمن طاقتیں مثلاً" یہود، مشرکین اور منافقین، آپؐ کی پے درپے کامیابیوں سے جلی بیٹھی تھیں۔ غزوہ احد شوال ۳ ھ کے بعد سے غزوہ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ ذی قعدہ ۵ ھ تک دو سال کی مدت میں جس طرح اسلامی جمعیت کے ہاتھوں وہ زک پر زک اٹھاتے چلے گئے تھے اس کی وجہ سے ان کے دلوں میں آپؐ کے خلاف غصہ اور غضب کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ اپنے سابقہ تجربات کی بناء پر اس بات سے بھی مایوس ہوگئے تھے کہ اب وہ کھلے میدان

میں لڑکر آپؐ کو اور آپؐ کے فدا کار پیروکاروں کو زیر کر سکیں گے۔ اس لئے انہوں نے اس نکاح کے معاملے کو اپنے لئے ایک خدا داد موقع سمجھا اور خیال کیا کہ اب ہم محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) کی اس اخلاقی برتری اور سیرت و کردار کی اس مسلمہ عظمت کو ختم کر سکیں گے جو ان کی ناقابل شکست قوت و طاقت اور مسلسل کامیابیوں و کامرانیوں کا اصل راز ہے۔ چنانچہ یہ افسانے تراشے گئے کہ معاذ اللہ محمد (صلی اللہ علیہ و سلم) بہو کو دیکھ کر عاشق ہو گئے۔ بیٹے کو جب اس تعلق خاطر کا علم ہوا تو اس نے بیوی کو طلاق دے دی اور باپ نے اس کے بعد بہو سے بیاہ رچا لیا۔

شرم و حیاء سے عاری یہ مخالفین حق دشمنی کے اندھے جوش میں عقل و شعور سے اتنے بے بہرہ ہو چکے تھے کہ انہوں نے ایسے بے بنیاد ' لچر اور جھوٹے افسانے گھڑے اور ایسی لغو اور بے ہودہ افواہ سازی کی اور انہیں نمک مرچ لگا کر خوب خوب اچھالا اور پھیلایا کہ اگر یہ باتیں کسی عام شخص کی طرف بھی منسوب کی جاتیں تو کوئی صاحب ہوش بھی انہیں ماننے کے لئے تیار نہ ہوتا مگر یہ عقل کے اندھے یہ سب کچھ ایسی ہستی کے متعلق کہہ رہے تھے جس کے اخلاق و عادات کی پاکیزگی اور جس کی سیرت و کردار کی رفعت و جلالت کی شہادت خود اس کائنات کا خالق دے چکا تھا جو ہر ظاہر و پوشیدہ بات سے واقف ہے۔ خدائی شہادت کے الفاظ ہیں:

"اے پیارے نبی' بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔" (سورہ قلم آیت ۴)

ان الزام تراشیوں ' بہتان طرازیوں اور افواہ سازیوں کی کچھ جھلکیاں ہم آج بھی ان روایات میں دیکھ سکتے ہیں جو قدیم مورخین کی کتابوں میں موجود

ہیں۔ ان روایات کے درج کرنے پر علامہ شبلی نے ان بزرگوں پر لعن طعن بھی کی ہے اور حمایت حق کے جوش میں علامہ واقدی جیسے قدیم سیرت نگار کو "جھوٹا اور کذاب" جیسے سخت الفاظ سے بھی نواز دیا ہے لیکن اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ جھوٹے اور کذاب یہ ارباب سیر نہیں بلکہ وہ دشمنان اسلام تھے جو اپنی ذلت آمیز شکستوں اور عبرت انگیز ہزیمتوں کے پے درپے صدمات سے اتنے حواس باختہ اور اخلاق باختہ ہوگئے تھے کہ اب ان کے لئے ان کے خیال میں مکرو فریب' کذب بیانی اور دروغ گوئی ہی' ان کی امیدوں کا واحد سہارا باقی رہ گیا تھا۔ ضدو انانیت اور تعصب و ہٹ دھری کے بڑھتے ہوئے جنون نے انہیں کمینگی و ذلالت کے پست ترین مقام پر لاکھڑا کیا تھا۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ علامہ واقدی' علامہ طبری' علامہ ابن ہشام اورعلامہ ابن سعد جیسے عظیم مورخوں کا امت مسلمہ پر ہی نہیں بلکہ پوری نوع انسانی پر یہ ناقابل فراموش احسان ہے کہ انہوں نے اس دور کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے اپنے جذبات و احساسات کو پوری طرح قابو میں رکھا اور اس عہد کے حالات و واقعات کو پوری شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کرکے ہم تک پہنچانے کا انتظام کردیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم چودہ سو سال بعد بھی اس تاریخ کی روشنی میں پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ محمد(صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی اللہ کے برگزیدہ رسول تھے۔ ورنہ آپؐ کے مخالفین کی طرف سے زندگی کے ہر محاذ پر مخالفت و عداوت کے اس قدر شدید اور بلاخیز طوفان بپا کئے گئے کہ اگر آپؐ کی جگہ کوئی اور شخصیت ہوتی تو وہ ڈھیر ہوکر رہ جاتی۔ یہ آپؐ کی پیغمبرانہ بصیرت اور فراست ہی تھی کہ آپؐ

نے دشمنوں کے ہر اوچھے اور اشتعال انگیز وار کا جواب ایسی حکمت و متانت سے دیا کہ ان کے حصے میں ناکامی و نامرادی کے سوا کچھ نہ آیا۔ یہ آپؐ کی پیغمبرانہ تعلیم و تربیت کا فیض تھا کہ آپؐ کے تربیت یافتہ مٹھی بھر مخلصین و مومنین نے اپنے بے پناہ جذبہ اطاعت و جان سپاری اور اپنے بے کراں ذوق جہاد و شوق شہادت کی بدولت اپنے ہادی و رہنما کی ہوشمند قیادت میں عرب کی متحدہ اسلام دشمن قوت کے خوفناک منصوبوں اور ہولناک سازشوں کو خندق کی گہرائیوں میں دفن کرکے رکھ دیا اور اپنی اخلاقی برتری اور کردار کی پاکیزگی کی طاقت سے افواہ سازوں کی تمام مہمات اور پروپیگنڈے کے فن کے ماہرین کے تمام نفسیاتی حربوں کو ناکامی سے ہم کنار کردیا۔

مورخین کے اس احسان کے ساتھ ساتھ محدثین کے احسانات کا بدلہ بھی انسانیت کسی طرح ادا نہیں کرسکتی۔ صدق و صفا سے متصف اس بلند پایہ جماعت نے روایات کے پرکھنے اور جانچنے کے ایسے مضبوط پیمانے مہیا کردیئے کہ آج کوئی روایت بھی علمی دنیا میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں کرسکتی۔ اس عظیم کارنامے کی بنا پر محدثین کرام بجا طور پر روایت کی عدالت کے حاکمان مجاز قرار پائے۔

جھوٹے افسانے کا حقیقت پسندانہ تجزیہ

جس جھوٹے افسانے کی بنیاد پر بدطینت کینہ کیشوں نے جو طوفان بدتمیزی برپا کیا تھا اس کی حقیقت ان کے غلیظ ذہنوں اور متعفن دلوں کی غلاظت اور عفونت کے اظہار کے سوا کچھ بھی نہ تھی۔ سیدہ زینبؓ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ ان کی پیدائش کے وقت آپؐ کی عمر ۲۱ سال تھی۔

بڑھیں اور جوان ہوئیں۔ ہجرت کر کے مدینے آئیں۔ آپؐ کی سرپرستی اور کفالت میں رہیں۔ پردے کا رواج بھی نہیں تھا۔ آپؐ نے خود زور دے کر ان کی اور ان کے خاندان والوں کی ناپسندیدگی کے باوجود ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ سے کی۔ اگر آپؐ ان سے خودشادی کرنا چاہتے تو کوئی رکاوٹ بھی حائل نہ تھی۔

اس صورت حال میں اس تراشیدہ افسانے کی جو حقیقت بنتی ہے وہ معمولی سمجھ رکھنے والے شخص پر بھی عیاں ہے۔

مخالفین کے تین اہم اعتراضات

حق و صداقت کے مخالفین نے ان افسانہ تراشیوں کے علاوہ اپنے خیال میں اس شادی پر جو ٹھوس اور وزنی اعتراض کئے، انہیں اختصار کے پیش نظر تین نکات تک محدود کیا جاسکتا ہے:

۱۔ جاہلی نظام اور جاہلانہ عصبیت کے سرپرستوں کو اس شادی کے حوالے سے خدا کے رسولؐ کے خلاف یہ کہہ کر بھڑکایا گیا کہ آپؐ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے شادی کر کے معاشرے کی قدیم ترین مسلمہ روایات کی صریح خلاف ورزی کی ہے۔ اس طرح آپؐ کے اس اقدام سے صدیوں کے جمے ہوئے معتقدات اور تصورات کی سخت توہین ہوئی ہے۔

۲۔ مسلمانوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے اور حضورؐ کے ساتھ ان کی غیر متزلزل وفاداریوں کے فولادی حصار میں شگاف ڈالنے کے لئے ان سے کہا گیا کہ خداوند کریم تو فرماتا ہے کہ:۔

" درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہے اور کثرت سے

اللہ کو یاد کرے۔" (سورہ احزاب آیت ۲۱)

لیکن اب حضورؐ کے قول و فعل میں کھلا تضاد ہے۔ وہ مسلمانوں کو ایک وقت میں چار سے زیادہ عورتوں کو نکاح میں رکھنے کی اجازت نہیں دیتے اور خدا کا یہ حکم سناتے ہیں:

"جو عورتیں تم کو پسند آئیں۔ ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو۔" (سورہ النساء آیت ۳)

خدا کے اس حکم کی موجودگی میں اب حضورؐ نے چار بیویوں کے ہوتے ہوئے یہ پانچویں شادی کرلی ہے۔ اگر آپؐ درحقیقت خدا کے سچے رسولؐ ہوتے تو کبھی خدا کے اس صریح حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے۔

(یہ امر قابل ذکر ہے کہ سیدہ زینبؓ کے حرم نبوی میں داخل ہونے سے پہلے چار ازواج مطہرات سیدہ سودہؓ، سیدہ عائشہؓ، سیدہ حفصہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ اس حرم مقدس میں رونق افروز تھیں۔)

۳۔ ان مخالفین نے بظاہر اسلام اور مسلمانوں کی خیرخواہی و ہمدردی کا روپ دھار کر کہنا شروع کیا کہ ہم جانتے ہیں کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اس کی بیوی بھی حقیقی بہو کی طرح نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن مجید نے وضاحت کردی ہے لیکن مصلحت وقت کا تقاضا تھا کہ حضورؐ یہ نکاح نہ کرتے۔ گو قانونی طور پر یہ جائز فعل ہے لیکن قدیم رسموں اور رواجوں کی بنا پر معاشرے کے اکثر افراد کے ذہنوں اور دلوں میں ان رشتوں کے متعلق حرمت و کراہت کے جو تصورات و توہمات راسخ ہوچکے ہیں، حضورؐ کی اس شادی سے انہیں زبردست ٹھیس پہنچی ہے جس سے اسلام کی اس نئی تحریک

کے متعلق لوگوں کی سوچ اور ان کا طرز عمل مخالفانہ اور معاندانہ رخ اختیار کرچکا ہے جس سے دین حق کی تبلیغ و اشاعت کی جدوجہد میں سخت رکاوٹیں پیش آئیں گی۔

اعتراضات کے جوابات

حضورؐ نے سیدہ زینبؓ سے یہ نکاح اپنی پسند اور اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا بلکہ یہ نکاح خدائے عزوجل نے اپنی مشیت اور اپنی وسیع اور ہمہ گیر سکیم کے تحت کیا تھا۔ اس لئے اس پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کے مدلل اور مسکت جوابات دینے کا کام بھی اس نے اپنے ذمے لے لیا۔ اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اس سلسلے میں جو پیرایہ اختیار کیا گیا وہ اپنی جامعیت و مانعیت' اپنے ایجاز و اختصار اور اپنی فصاحت و بلاغت میں اعجاز کی تمام بلندیوں سے بھی ماوراء ہے اور یہی اس کے کلام الٰہی ہونے کا بین ثبوت ہے۔ شاہانہ جلال کے ساتھ اعلان کیا گیا:

"لوگو' محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں۔ مگر وہ اللہ کے رسولؐ اور خاتم النبیینؐ ہیں اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (سورہ احزاب آیت ۴۰)

اس آیت میں تین اعتراضات کے جواب میں تین ہی باتیں کہی گئی ہیں۔ جن کا ہم ذیل میں اختصار سے ذکر کرتے ہیں:

پہلے اعتراض کا جواب

ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض کہ انہوں نے اپنی بہو سے شادی کرلی ہے کس قدر لغو' بے بنیاد اور خلاف حقیقت ہے۔ عرب کا

بچہ بچہ جانتا ہے کہ ان کا کوئی بیٹا روئے زمین پر موجود نہیں۔ جب ان کا کوئی بیٹا ہے ہی نہیں تو بہو سے شادی رچانے کا سوال کہاں سے پیدا ہوگیا۔ اور تم میں سے ہر شخص کا دل اس بات کی گواہی دے گا کہ منہ بولا بیٹا کسی صورت بھی حقیقی بیٹا نہیں ہو سکتا۔

دوسرے اعتراض کا جواب

ہمارے یہ نبیؐ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس روئے زمین پر ہمارے نمائندے اور رسولؐ ہیں۔ وہ ہر اس کام کے بجالانے کے پابند ہیں جس کا ہم انہیں حکم دیں۔ انہوں نے یہ شادی اپنی مرضی اور اپنی پسند سے نہیں کی بلکہ یہ ہمارے منشاء، ہماری مرضی اور ہمارے حکم سے عمل میں آئی ہے۔ ایک وقت میں چار نکاحوں سے زیادہ پر پابندی عائد کرنے والے بھی ہم ہیں اور اپنے رسول کو اس پابندی سے مستثنیٰ قرار دینے والے بھی ہم ہی ہیں۔ ہم اس کائنات کے شہنشاہ مطلق ہیں۔ تمہارے لئے قانون سازی ہمارا حق ہے کسی کو اس میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ ہم نے اپنے خصوصی اختیار سے اپنی حکیمانہ مصلحت کے تحت اپنے نبیؐ کو چار سے زیادہ شادیاں کرنے کا اجازت نامہ پہلے ہی اپنے فرمان کے ذریعے جاری کردیا ہے جو اس طرح ہے:

"اے پیارے نبیؐ" ہم نے تمہارے لئے حلال کردیں تمہاری وہ بیویاں جن کے مہر تم نے ادا کئے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو اللہ کی عطا کردہ لونڈیوں میں سے تمہاری ملکیت میں آئیں اور تمہاری وہ چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد بہنیں جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبیؐ کے لئے ہبہ کیا ہو اگر نبیؐ اسے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالصتاً" تمہارے لئے ہے دوسرے مومنوں کے لئے نہیں

ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ عام مومنوں پر ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں کیا حدود عائد کئے ہیں۔ تمہیں ان حدود سے ہم نے اس لئے مستثنیٰ کیا ہے تاکہ تمہارے اوپر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ غفور و رحیم ہے۔" (سورہ احزاب آیت ۵۰)

تیسرے اعتراض کا جواب

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے رسولؐ ہی نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں یعنی ان کے بعد کوئی رسول تو درکنار کوئی نبی تک آنیوالا نہیں کہ اگر قانون اور معاشرے کی کوئی اصلاح ان کے زمانے میں نافذ ہونے سے رہ جائے تو بعد کا آنے والا نبی یہ کسر پوری کرے۔ لہٰذا یہ اور بھی ضروری ہوگیا تھا کہ اس رسم جاہلیت کا خاتمہ وہ خود ہی کر کے جائیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنے اس آخری نبیؐ کے ذریعے اس رسم کا خاتمہ نہ کرایا تو پھر کوئی دوسری ہستی اس دنیا میں ایسی نہ ہوگی جس کے توڑنے سے یہ رسم دنیا کے تمام مسلمانوں میں ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے۔

نکاح کے وقت سیدہؓ کی عمر

حضورؐ نے سیدہ زینبؓ سے ذی قعدہ ۵ ھ میں نکاح کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب آپؐ یہودیوں کے قبیلہ بنی قریظہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے کیونکہ اس نے معاہدے کے باوجود غزوہ احزاب کے موقع پر غداری کر کے عقب سے مسلمانوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے کا منصوبہ تیار کیا تھا جو حضورؐ کی بروقت جاندار اور مدبرانہ حکمت عملی کی وجہ سے ناکام ہوگیا تھا۔

اس وقت سیدہ زینبؓ کی عمر ۳۶ سال تھی۔ رہائش کے لئے انہیں مسجد

نبوی کے قریب جو مکان ملا وہ شام کی سمت واقع تھا۔

سیدہؓ کی للھیت کی تصدیق

ام المومنین سیدہ زینبؓ نہایت دیندار پرہیزگار اور حق گو خاتون تھیں۔ ان کے ان اوصاف اور ان کی ان خوبیوں کا اعتراف خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھا۔ حافظ ابن حجر نے اپنی مشہور معرکتہ الارا کتاب "اصابہ" میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ مہاجرین میں مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ سیدہ زینبؓ بھی اس موقع پر موجود تھیں۔ انہوں نے کوئی ایسی بات کہی جو حضرت عمر فاروقؓ کو ناگوار گزری۔ انہوں نے ذرا سخت لہجے میں سیدہؓ کو دخل دینے سے روکا۔ اس پر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عمرؓ انہیں کچھ نہ کہو۔ یہ اواہ ہیں" (یعنی کثرت سے عبادت کرنے والی اور خدا سے ڈرنے والی ہیں۔)

اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہؓ ان کی خوبیوں اور ان کے کمالات کا ذکر کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرماتی ہیں: "میں نے دین کے معاملے میں زینبؓ سے بڑھ کر کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

حق گوئی

ام المومنین سیدہ زینبؓ دوسری ازواج مطہرات کے مقابلے میں اپنے خصوصی اعزازات فخریہ بیان کیا کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ میں حضورؐ کی پھوپھی زادہ ہوں۔ اوروں کا نکاح ان کے سرپرستوں اور ولیوں نے کیا مگر میرا نکاح میرے مولائے حقیقی نے اپنے محبوب ترین رسولؐ کے ساتھ کیا۔ اور اس کا اعلان وحیؑ کے ذریعے اپنی آخری کتاب میں کیا جس میں قیامت تک

تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ جو حضورؐ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی تھیں فرماتی ہیں کہ تمام ازواج مطہرات میں میری ہمسری کا دعویٰ زینبؓ کو ہی تھا۔ اور وہ اپنے اس دعوے میں کسی حد تک حق بجانب بھی تھیں۔ لیکن اس فطری جذبہ رشک و رقابت کے باوجود سیدہ زینبؓ نے حق گوئی اور صدق بیانی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ واقعہ افک میں جب بدنہاد منافقین نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے خلاف نازیبا الزام تراشی کی اور پھر اسے اس کثرت سے پھیلایا کہ شاعر اسلام حسانؓ بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ جیسے مخلص مسلمان بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوگئے اور سیدہ زینبؓ کی حقیقی بہن حضرت حمنہؓ بنت جحش بھی اس افواہ کے پھیلانے میں کسی حد تک ملوث ہوگئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہؓ کے چال چلن اور کردار کے متعلق ام المومنین سیدہ زینبؓ سے ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے بے ساختہ جواب میں کہا:

"میں عائشہؓ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں پاتی۔"

سیدہ زینبؓ اور آیت تحریم

قرآن مجید میں سورہ تحریم کی پہلی آیت میں دین اسلام کا ایک نہایت اہم اور بنیادی ضابطہ بیان کیا گیا ہے جس کی رو سے حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے حدود مقرر کرنے کے اختیارات قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور عام انسان تو درکنار خود اللہ کے رسولؐ کی طرف بھی ان کا کوئی حصہ منتقل نہیں کیا گیا ہے۔ نبیؐ بحیثیت نبیؐ اگر کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دے سکتا ہے تو صرف اس صورت میں جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس

خفی کے طور پر کیا گیا ہو' لیکن بطور خود اللہ کی جائز کی ہوئی کسی چیز کو حرام کرنے کا مجاز نبیؐ بھی نہیں ہے کجا کہ کوئی اور شخص ہو۔

اس اہم دینی ضابطے کے نزول کا سبب بھی ام المومنین سیدہ زینبؓ کی ذات بابرکت ہی بنی۔ جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے جو بخاری' مسلم' ابوداؤد' نسائی اور احادیث کی دیگر کتابوں میں موجود ہے۔ اس روایت میں سیدہ فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالعموم ہر روز نماز عصر کے بعد تمام ازواج مطہرات کے ہاں چکر لگاتے تھے۔ ایک موقع پر ایسا ہوا کہ آپؐ حضرت زینبؓ بنت جحش کے ہاں جاکر زیادہ دیر تک بیٹھنے لگے۔ چونکہ ان کے ہاں کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اور حضورؐ کو شیرینی بہت پسند تھی' اس لئے آپؐ ان کے ہاں شہد کا شربت نوش فرماتے تھے۔ مجھے رشک لاحق ہوا۔ اور میں نے سودہؓ' حفصہؓ اور صفیہؓ سے مل کر یہ طے کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپؐ تشریف لائیں وہ آپؐ سے یہ کہے کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ میں نے یہ تدبیر آپؐ کو زینبؓ کے ہاں زیادہ دیر ٹھہرنے سے روکنے کے لئے اختیار کی تھی۔ چنانچہ ان سب ازواج نے آپؐ سے یہی کہا کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بساند آرہی ہے شاید آپؐ نے اسے کھایا ہے۔ جب متعدد بیویوں نے آپؐ سے یہی بات کہی تو آپؐ نے فرمایا" میں نے زینبؓ کے ہاں شہد کا شربت پیا تھا۔ آئندہ نہیں پیوں گا۔" اس طرح میری یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی لیکن ساتھ ہی یہ آیت بھی نازل ہوگئی:

"اے پیارے نبی' تم کیوں اس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہاری لئے حلال کی ہے؟ کیا اس لئے کہ تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو؟ ۔۔ اللہ

معاف کرنے والااور رحم فرمانے والا ہے۔" (سورہ تحریم آیت نمبر۱)

سیدہ عائشہؓ کی روایت کا مفہوم سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ "مغافیر" ایک پھول کا نام ہے۔ اس میں کچھ بساند ہوتی ہے۔ اگر شہد کی مکھی اس سے شہد حاصل کرلے تو اس کے اندر اس کا اثر آجاتا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی سب کو معلوم تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نفاست پسند تھے اور آپؐ کو اس سے سخت نفرت تھی کہ آپؐ کے منہ میں کسی قسم کی بدبو پائی جائے۔ اس لئے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی یہ تدبیر ٹھوس حقائق پر مبنی تھی۔

سیدہ صدیقہؓ کی یہ روایت ان کی بے مثال دیانت و امانت اور ان کی بے بدل راست گوئی اور صدق بیانی کا عظیم شاہکار ہے۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے متعلق روحانی اولاد تک معلومات بہم پہنچانے کے سلسلے میں اپنے فطری اور بشری تقاضوں کو صاف صاف بیان کردینے سے بھی دریغ نہیں کیا جس میں بظاہر ان کی ذاتی سبکی کا پہلو نکلتا تھا۔ ان کے اسی بے پناہ ایثار و اخلاص نے انہیں "صدیقہ" کے جلیل القدر منصب پر فائز کیا اور وہ امت مسلمہ کے اعتماد کا مرکز و محور قرار پائیں۔

آفتاب نبوت سے فیض یابی

ام المومنین سیدہ زینبؓ تقریباً پانچ سال کاشانہ نبوت میں براہ راست آفتاب نبوت کی تجلیات اور اس کے انوار سے فیض یاب ہوتی رہیں۔ اس فیضیابی نے ان کی فکر و نظر اور ان کے قلب و ذہن میں نورانیت کی ایسی کیفیت پیدا کردی کہ ان کی سیرت اور ان کا کردار اخلاقی اور روحانی کمالات کا ایک قابل رشک مرقع بن گیا۔ سیدہ نے دین کے احکام کی تعلیم حاصل

کرنے اور اپنی زندگی کو اسوہ رسولؐ کے نورانی سانچے میں ڈھالنے کی جدوجہد میں اپنی پوری توانائیاں صرف کردیں۔

سیدہ زینب نے ۱۰ ھ میں دوسری تمام ازواج مطہرات کے ساتھ خدا کے آخری رسولؐ کی قیادت میں فریضہ حج کی ادائیگی کی بے کراں سعادت حاصل کی۔

ربیع الاول ۱۱ ھ میں وہ حادثہ جانکاہ واقع ہوا جس نے تمام اہل ایمان کو سوگوار بنا دیا۔ یہ حادثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیائے فانی سے پردہ فرمالینے کا تھا۔ یہ سانحہ ارتحال ام المومنین سیدہ زینبؓ کے لئے بھی روح فرسا ثابت ہوا۔ مگر انہوں نے ایمان کی عطا کردہ نورانی صفت صبر کے ذریعے اسے برداشت کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دیگر امہات المومنین کی طرح سیدہ زینبؓ نے اپنی باقی زندگی امت مسلمہ کی عموماً اور اپنی روحانی بیٹیوں کی خصوصاً تعلیم و تربیت اور ان کے اخلاق و اطوار کو انوار ہدایت سے منور کرنے کی سعی بلیغ میں کھپادی۔

سیدہ زینبؓ کی سیرت کا اہم پہلو

ام المومنین سیدہ زینبؓ کا چمنستان اخلاق خوف خدا، حب رسول، شوق عبادت، ذوق شب بیداری، صدق وصفا اور خشوع و خضوع کے گلہائے خوش رنگ سے مزین و معطر تھا۔ لیکن جس وصف اور جس خوبی کو ان کی سیرت کا جوہر قرار دیا جاسکتا ہے وہ ان کی فراخدلانہ سخاوت و فیاضی تھی۔ اسی وصف نے ان کے مزاج اور ان کی طبیعت میں قناعت کا ملکہ راسخ کردیا تھا۔

سیدہ چمڑے کی ماہر دستکار تھیں۔ اپنی محنت سے جو کماتیں اسے خدا کی

راہ میں خرچ کر کے بے پناہ روحانی مسرت حاصل کرتیں۔

علامہ ابن سعد نے "طبقات" میں عبداللہ رافعؓ اور محمد بن کعبؓ کی روایات نقل کی ہیں جن کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے ازواج مطہرات میں سے ہر ایک لئے بارہ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ جب وظیفے کی یہ رقم سیدہ زینبؓ کے پاس پہنچی تو بولیں کہ اس رقم کی میری بہنیں (یعنی ازواج مطہرات) زیادہ مستحق ہیں۔ بتایا گیا کہ ان کا حصہ ان تک پہنچ چکا ہے' یہ تو صرف آپ کے لئے ہیں۔ اس پر سیدہ نے خادمہ کو حکم دیا کہ درہموں کے اس ڈھیر پر کپڑا ڈال دو اور تقسیم کرنا شروع کردو۔ چنانچہ یہ سارے درہم غریبوں' مسکینوں' یتیموں اور بیواؤں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ اس کے بعد نہایت خشوع و خضوع سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی "الٰہ العالمین' اگلے سال مجھے یہ مال نہ ملے کیونکہ یہ فتنہ ہے۔" حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو بولے" ام المومنین نہایت فیاض اور مخیر ہیں۔ اس لئے وہ اس امر کی مستحق ہیں کہ ان کی خدمت میں ان کے اخراجات کے لئے مزید رقم بھیجی جائے۔" چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کہلوایا اور فرمایا کہ "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپؓ نے وظیفے کی تمام رقم تقسیم کردی ہے۔" اس کے بعد مزید ایک ہزار درہم بھیجے لیکن سیدہؓ نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو پہلی رقم کے ساتھ کیا تھا' یعنی سب بانٹ دیئے۔

سیدہؓ کی اسی دریا دلی اور سخاوت کی بناء پر ان کی وفات کے موقع پر ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے حسرت بھرے لہجے میں فرمایا تھا:

"ایک بے مثال اور قابل تعریف خاتون دنیا سے اٹھ گئی' وہ یتیموں اور

بیواؤں کی پناہ گاہ تھی۔"

سیدہ کے بھتیجے عثمان بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میری پھوپھی ام المومنین سیدہ زینبؓ نے اپنے پیچھے کوئی درہم چھوڑا نہ دینار۔ ان کے پاس جو کچھ آتا تھا خدا کی راہ میں ضرورت مندوں پر خرچ کردیتی تھیں۔ انہوں نے صرف ایک مکان چھوڑا تھا جسے وارثوں نے پچاس ہزار درہم میں ولید بن عبدالملک کے ہاتھ فروخت کیا۔

علامہ شبلی اور طالب ہاشمی نے علامہ ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی بیویوں کو مخاطب کرکے فرمایا:

"تم میں سے مجھے وہ جلد ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا۔"
حضورؐ کی "لمبے ہاتھ" سے مراد سخاوت و فیاضی تھی۔ سیدہ زینبؓ بے حد سخی اور مخیر تھیں اس لئے اس پیشگوئی کی مصداق ثابت ہوئیں اور آپؐ کے بعد تمام ازواج مطہرات میں سب سے پہلے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمائی۔

وفات

ام المومنین سیدہ زینبؓ نے ۲۰ ھ میں وفات پائی۔ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ وقت تھے۔ اس خبر سے شہر مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ آج مدینے والے ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام اپنی ایک روحانی شفیق ماں کے سکون بخش اور روح پرور سایہ عاطفت سے محروم ہوگیا تھا۔ غریب، مسکین اور بیوائیں بلبلا اٹھیں کہ ان کی کفالت اور دستگیری کرنے والی فراخ دست ہستی انہیں ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گئی۔

سیدہ زینبؓ نے اپنے لئے کفن کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس لئے وصیت فرمائی تھی کہ اگر حضرت عمرؓ کفن کے لئے کپڑا بھیجیں تو ان میں سے ایک خیرات کردیا جائے۔

عمرہ بنت عبدالرحمٰن بیان کرتی ہیں کہ خلیفہ وقت نے بیت المال سے کپڑے کے پانچ تھان بھیجے کہ ان میں سے جو پسند ہو لے لیا جائے چنانچہ ام المومنین کو انہی تھانوں میں سے ایک کے کپڑے میں کفنایا گیا۔ اور ان کی بہن حضرت حمنہؓ نے سیدہ کا رکھا ہوا کفن صدقے کے طور پر دے دیا۔

ام المومنین نے آخری وقت وصیت فرمائی تھی کہ میری میت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابوت میں رکھ کر قبرستان لے جائی جائے۔ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ سیدہ کی یہ خواہش اللہ کے رسول کے ساتھ والہانہ اور عاشقانہ لگاؤ اور تعلق کا نتیجہ تھی۔

ام المومنین کا جنازہ اٹھا۔ کندھے دینے والوں مین ان کے روحانی بیٹوں کا ایک جم غفیر تھا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ جنازے کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ سیدہ مرحومہ کے بھائی ابواحمدؓ بن جحش بھی جنازہ اٹھائے لئے جارہے تھے۔ وہ اس وقت نابینا تھے۔ زار و قطار رو رہے تھے اس پر حضرت عمرؓ نے باواز بلند کہا۔

ابو احمد' جنازے سے ہٹ جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کے رش کی وجہ سے تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔"

انہوں نے بادیدہ تر کہا:

"امیر المومنین' یہ وہ شخصیت ہیں جن کی بدولت ہمیں ہر قسم کی خیر اور بھلائی نصیب ہوئی۔ ان کے ان احسانات کے احساس کی وجہ سے اس وقت

کی ہر سختی اور تنگی ہیچ ہے۔"

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "اچھا' چمٹے رہو۔"

خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جب جنازہ قبر کے قریب لایا گیا تو حمد و ثنا کے بعد مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"جب ام المومنین سیدہ زینبؓ بیمار ہوئیں تو میں نے امہات المومنین سے پچھوایا کہ ان کی تیمارداری کون کرے گا؟ انہوں نے کہا' ہم کریں گی۔ میرے خیال میں انہوں نے تیمارداری کا حق ادا کردیا۔ ان کے انتقال پر پھر میں نے دریافت کروایا کہ انہیں غسل کون دے گا؟ جواب میں کہلوایا "یہ فریضہ ہم ہی انجام دیں گی۔" اس کے بعد میں نے معلوم کرایا کہ انہیں قبر میں کون اتارے گا؟ جواب آیا کہ وہی لوگ اتاریں گے جن کا ان کی زندگی میں ان کے پاس آنا جانا جائز تھا۔ میرے خیال میں ان کی یہ رائے بالکل مناسب اور درست ہے۔"

مدینے میں اس دن سخت گرمی تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے قبر پر شامیانہ لگوادیا تاکہ قبر کی تیاری اور سیدہ کی تدفین میں لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا شامیانہ تھا جو کسی قبر پر نصب کیا گیا۔

اس کے بعد قبر کے پاس سے لوگوں کو ہٹادیا گیا۔ پھر ام المومنین کے بھتیجوں اور بھانجوں میں سے محمد بن عبداللہؓ' اسامہ بن ابی احمدؓ اور محمد بن طلحہؓ نے انہیں ان کی آخری اور ابدی آرام گاہ میں اتارا۔

وفات کے وقت ام المومنین سیدہ زینبؓ کی عمر باون (۵۲) یا ترپن (۵۳) سال تھی۔

باب نمبر۸

اپنی جرات و بے باکی اور اپنی ہوشمندی و بیدار مغزی سے اپنی قوم کو ذلت و خواری کی پستی سے اٹھا کر عزت و وقار کی بلندی پر فائز کر دینے والی ہستی

ام المومنین سیدہ جویریہؓ بنت حارثؓ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	مختصر تعارف	۹۳
۲	حالات کا پس منظر	۹۴
۳	قبیلہ بنو مصطلق کی شورش	۹۵
۴	حضورؐ کی کارروائی	۹۵
۵	شورش پسندوں کی ہزیمت	۹۶
۶	سردار قبیلہ کی بیٹی مدینے میں	۹۷
۷	خاتون کی ہوشمندی	۹۸
۸	قلبی کیفیت	۱۰۰
۹	اعتراف حقیقت	۱۰۰
۱۰	بارگاہ رسالتؐ میں حاضری	۱۰۱
۱۱	آزادی ملتی ہے	۱۰۲
۱۲	ام المومنین ہونے کا شرف	۱۰۲
۱۳	شادی کے اثرات	۱۰۳
۱۴	ایک انقلاب	۱۰۵
۱۵	سیدہ جویریہؓ کی رہائش گاہ	۱۰۷
۱۶	حرم نبویؐ کی پر محبت فضا	۱۰۸
۱۷	ام المومنین سیدہ جویریہؓ کی طبیعت کا رجحان	۱۰۹
۱۸	عزیز و اقارب	۱۱۱
۱۹	وفات	۱۱۲

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کی رسالت کی تصدیق کرنے والی ایک مسلمان عورت ہوں۔ مجھ پر جو مصیبت آن پڑی ہے' اس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ قسمت نے مجھے عزت و وقار کی بلندی سے گرا کر غلامی اور اسیری کی ذلت وخواری کے نہایت مہیب گڑھے میں دھکیل دیا ہے۔ میں ایک معزز باپ کی بیٹی ہوں جو اپنی قوم کا سردار ہے۔ کنیز بن کر رہنا میری خاندانی نجابت و شرافت کے خلاف ہے' اس لئے میں نے اپنے مالک سے معاہدہ کرلیا ہے کہ وہ ۹ اوقیہ سونا لے کر مجھے غلامی کی ذلت سے رہائی دے دیں۔ میں اس وقت ایک بے سہارا اور تہی دست خاتون ہوں۔ میرے لئے معاہدے کی یہ رقم ادا کرنا ممکن نہیں۔ صرف آپ کی پرشفقت ذات کا سہارا ہے جس کے بھروسے پر میں نے یہ سودا کیا ہے۔ سوالی بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں' خدا را مدد فرمایئے۔"

رحمت عالمؐ کی بارگاہ میں اپنی آزادی کی بھیک مانگنے والی یہ خاتون کون

تھیں اور وہ کیا حالات تھے جنھوں نے ایک سردار کی باعزت بیٹی کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا تھا؟ اور پھر اس کی اس درخواست نے اللہ کے پیارے نبیؐ کے دریائے رحمت کو کس طرح موجزن کیا جس کے نتیجے میں اس خاتون کی قسمت کا ستارہ اپنی بلندی اور ارجمندی میں پورے عالم انسانیت کے لئے باعث رشک بن گیا۔ اس کی تفصیل جاننے کے لئے ضروری ہے کہ اس دور کے ایک اہم اور تاریخ ساز واقعے کا مطالعہ کیا جائے۔

حالات کا پس منظر

مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلے پر بحیرہ احمر کے ساحل کے ساتھ رابغ اور جدہ کے درمیان قدید کے علاقے میں بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو مصطلق آباد تھی۔ ان کے چشمے کا نام مریسیع تھا اور قبیلے کے سردار کا نام حارث بن ابی ضرار۔

اس وقت مدینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر قیادت ایک اسلامی ریاست قائم ہو چکی تھی۔ ارد گرد کے بہت سے قبائل کے ساتھ اس کے حلیفانہ تعلقات بھی استوار ہو چکے تھے لیکن قریش مکہ جنہیں خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے پورے قبائل عرب میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی، اسلام کے زبردست مخالف اور دشمن تھے۔ اسی لئے وہ مختلف قبائل کو اسلام کی جدید ریاست کے خلاف مسلح کارروائیاں کرنے پر ابھارتے رہتے تھے۔ قریش نے اپنی اسی پالیسی کے تحت بنو مصطلق کو بھی مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جس کے نتیجے میں اس قبیلے نے مدینے پر یلغار کی نیت سے فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے حلیفوں کو بھی فتنہ و فساد اور قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کے لیے اس کام میں شامل کر لیا۔ [illegible]

سربراہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیدار مغز، مستعد اور مدبر فرمانروا تھے۔ آپؐ نے اس امر کا انتظام کر رکھا تھا کہ پورے ملک عرب میں اگر کوئی ایسا واقعہ ظہور پذیر ہو جو کسی صورت بھی اسلامی تحریک اور اسلامی ریاست پر اثر انداز ہو سکتا ہو تو اس کی اطلاع فوراً آپؐ کو ملے تاکہ آپؐ اس کے مطابق اپنی حکمت عملی ترتیب دے کر اس کے اثرات زائل کرنے کی کوشش فرمائیں۔

قبیلہ بنو مصطلق کی شورش

حضورؐ کو بنو مصطلق کے ان ارادوں کی خبر ملی تو آپؐ نے اپنے ایک ساتھی زیدؓ بن خصیب کو اس علاقے کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ تمام حالات کا جائزہ لیں جس کی روشنی میں سازشی دشمن کے خلاف کوئی اقدام کیا جائے۔ حضرت زیدؓ نے واپس آکر اطلاعات کی تصدیق کر دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ للعالمین تھے۔ آپؐ کی دعوت اور آپؐ کا پیغام پوری نوع انسانی کے لئے موجب رحمت اور باعث امن و سلامتی تھا۔ اس لئے آپؐ ایک ماہر سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی فوجی مہمات اس انداز سے ترتیب دیتے تھے اور فوجی نقل و حرکت کا پروگرام اس طور روبعمل لاتے تھے کہ کم سے کم نقصان اٹھا کر مطلوبہ نتائج حاصل کر لئے جائیں اور فتنہ و شر کی قوتوں کو انسانی خون کی ہولی کھیلنے سے پہلے ہی اس طرح دبوچ لیا جائے کہ وہ بے بس ہو کر سرنگوں ہونے پر مجبور ہو جائیں۔

حضورؐ کی کارروائی

۲ شعبان ۶ھ کو اسلام کے سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ایک

مجاہدوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ اس لشکر میں تمیں گھوڑے تھے۔ مہاجرین کے دستے کی سالاری حضرت ابوبکرصدیقؓ اور جمیت انصار کی سربراہی حضرت سعدؓ بن عبادہ کے سپرد ہوئی۔

قدید کا علاقہ مدینے سے نو منزل کے فاصلے پر تھا۔ اسلامی لشکر نے یہ پورا فاصلہ ایسی رازداری سے طے کیا کہ دشمن کو اس کی کانوں کان خبر نہ ہوئی اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت کے مطابق غازیان اسلام نے بے خبر دشمن کو صبح کے وقت عین اس حالت میں اپنے نرغے میں لے لیا جبکہ وہ معمول کے مطابق اپنے مویشیوں کو چشمے پر پانی پلا رہے تھے۔

اسلامی لشکر نے بنو مصطلق کا پورا علاقہ اپنے محاصرے میں لے لیا۔ اور اس اچانک حملے سے بدحواس ہوکر مختلف قبائل کے وہ لوگ جو اسلام دشمنی کے جذبے سے مغلوب ہوکر یہاں جمع ہوئے تھے' راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ان بھاگنے والوں میں قبیلہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار بھی شامل تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے شرک و جاہلیت کے موروثی نظام کے تحفظ اور حق و صداقت کی نئی تحریک کا راستہ روکنے کے لئے قبائلی تعصبات بھڑکا کر فوجی طاقت جمع کی تھی جس کے ذریعے وہ مدینے کی اسلامی ریاست کو تہ و بالا کرنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔

شورش پسندوں کی ہزیمت

قبیلہ بنو مصطلق کے لوگوں نے محاصرہ توڑنے کے لئے تیر برسانے شروع کیے۔ جواب میں مسلمانوں نے ان کا محاصرہ تنگ کرنا شروع کردیا۔ دست بدست لڑائی ہوئی۔ اس مار دھاڑ میں اس قبیلے کے دس افراد مارے گئے اور جلد ہی انہیں یقین ہوگیا کہ ان کا مقابلہ کسی ایسے گروہ سے نہیں جس کا

مقصد صرف لوٹ مار ہو بلکہ یہ ایک ایسی جماعت ہے جو نظم و ضبط' سمع و اطاعت' جرات و بہادری اور جنگی کارروائی میں اعلےٰ مہارت کا ایسا شاندار اور فقید المثال مظاہرہ کررہی ہے جس کا مشاہدہ نہ کبھی ان کی آنکھوں نے کیا تھا اور نہ کبھی ان کے ذہنوں نے اس کا تصور کیا تھا۔ اس قبیلے کے جنگجو اب اپنے میں نہ تو مجاہدین اسلام کے کاری اور تابڑ توڑ حملوں کا مقابلہ کرنے کی سکت پارہے تھے اور نہ ہی فرار کی کوئی راہ انہیں نظر آرہی تھی۔ ویسے بھی ان کی حیثیت ایک ایسے جتھے کی رہ گئی تھی جس کا کوئی سالار ہو اور نہ قائد۔ آخر کار انہوں نے بے بس اور لاچار ہوکر اسلام کے سالارِاعظم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

جنگ کے مروجہ اور مسلمہ قانون کے مطابق خونریزی اور فتنہ انگیزی کا منصوبہ بنانے والے اس قبیلے کے مال و اسباب پر اسلامی فوج نے قبضہ کرلیا۔ اس میں دو ہزاراونٹ اور پانچ ہزار بکریاں تھیں۔ اس کے افراد قیدی بنا لئے گئے جن کی تعداد مختلف روایات کے مطابق چھ سو یا آٹھ سو تک تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ اس معرکے میں ایک صحابی ہشامؓ بن صبابہ نے شہادت پائی۔

رسول کریمؐ نے حکم خداوندی کے تحت مال غنیمت مجاہدوں میں تقسیم کیا اور گرفتار شدہ قیدی غلاموں اور باندیوں کی حیثیت سے غازیوں کی ملکیت میں دے دیئے۔

سردار قبیلہ کی بیٹی مدینے میں

قیدیوں میں قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی ایک بیٹی بھی تھی جس کا نام برہ تھا۔ اس وقت اس کی عمر بیس برس تھی۔ حسن و جمال

میں وہ اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی شادی مسافع بن صفوان سے ہوئی تھی جو اس جنگ میں مارا گیا تھا۔ تقسیم کی رو سے وہ حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری کے حصے میں آئی۔ حالات کے اس انقلاب نے عرب کے ایک مشہور و معروف سردار کی بیٹی کو ایک مدنی گھرانے کی کنیز بنادیا تھا۔ بڑے باپ کی اس بڑی بیٹی کے لئے یہ حالات نہایت جگرسوز تھے لیکن اس نے ہوش مندی سے اپنے مالک ثابتؓ سے کہا کہ میں آپ کی مکاتبہ بننے کے لئے تیار ہوں یعنی آپ ایک رقم مقرر فرما دیں' میں وہ ادا کروں گی۔ آپ اس کے بدلے مجھے آزاد کردیں۔ حضرت ثابتؓ اس پر آمادہ ہوگئے۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ ایک سردار کی بیٹی ہے' انہوں نے اپنے خیال میں زیادہ سے زیادہ زر فدیہ مقرر کیا' یعنی ۹ اوقیہ سونا جس کی قیمت اس زمانے میں چار ہزار درہم تھی۔ ان کے سامنے یہ مثال موجود تھی کہ اسیران بدر میں جو مالدار اور صاحب استطاعت تھے ان کا زر آزادی بارگاہ نبوت سے چار ہزار درہم ہی مقرر ہوا تھا۔

خاتون کی ہوشمندی

برہ نے یہ شرط خوشدلی سے منظور کرلی لیکن تھی وہ خالی ہاتھ۔ معاہد... کی رقم اداکرنے کے لئے اس کے پاس اس وقت کوئی وسیلہ تھا نہ ذریعہ' مگر اس بلند ہمت خاتون نے اپنی اس مشکل سے نکلنے کی راہ نکال ہی لی۔ اس عالی حوصلہ خاتون نے اس وقت جو حکمت عملی اختیار کی وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسے اپنے علاقے اور اپنے ملک میں رونما ہونے والی انقلابی تبدیلیوں کا پوری طرح علم تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرعزم دعوت توحید

کے نشیب و فراز کی تاریخ سے شعوری طور پر واقف تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک ایسے قبیلے میں آنکھ کھولی تھی جو بحراحمر کے ساحل پر ایک ایسی شاہراہ پر آباد تھا جہاں سے مکے اور مدینے سے آنے والے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ نیز اس کا گھر ایک ایسے سردار کا گھرانا تھا جسے قبائل عرب میں ایک نمایاں مقام حاصل تھا' اس لئے اس گھر کے لئے مختلف سرداروں اور رئیسوں کی میزبانی کا شرف حاصل کرنے کے مواقع عام تھے۔

اس کے قبیلہ بنو خزاعہ کے قریش مکہ کے ساتھ تعلقات باہمی خیر خواہی و تعاون کی بنیاد پر استوار تھے۔ باہمی میل جول اور باہمی ربط و ضبط عام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی دعوت کی بدولت قریش میں جو ہلچل پیدا ہوئی اس سے بنو خزاعہ بھی متاثر ہوئے۔ اس دعوت ایمان کو قبول کرنے والوں پر مکے کی سرزمین میں ظلم و ستم کے ناقابل بیان پہاڑ توڑے گئے تھے۔ جن کی وجہ سے وہ اپنا وطن چھوڑ کر حبشہ میں جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کے باوجود نظام شرک کے علمبرداروں کا سلسلہ ستم جاری رہا۔ آخر کار اس دین حق کے پیروکار ایک ایک کرکے مکے کی وادی سے نکل کر امن و عافیت کی تلاش میں یثرب کی طرف نکل گئے۔ کفار مکہ کی ضد' ہٹ دھرمی اور قساوت قلبی یہاں تک پہنچ گئی کہ جس ہستی کو وہ صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے اس کے خون کے پیاسے ہوگئے صرف اس لئے کہ وہ انہیں ایسے نظام زندگی' ایسے ضابطہ حیات اور ایسی اعلٰے اخلاقی اقدار کی طرف بلا رہا تھا جن میں ان کے لئے دنیا کی بھی کامیابی تھی اور آخرت کی فلاح بھی۔

داعیٔ حق کو مدینے میں ٹھکانا مل گیا لیکن قریش نے انہیں وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ طاقت کے زور سے انہیں' ان کے ساتھیوں اور ان کے مرکز کو

تباہ و برباد کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ بدر، احد اور احزاب کے معرکے ہوئے لیکن قریش اور ان کے حلیف اپنے فوجیوں کی کثرت اور سامان حرب کی فراوانی کے باوجود نئے دین کے ماننے والوں کے آہنی عزم کی چٹانوں سے ٹکرا کر اور لہولہان ہو کر شکست و ذلت کے ساتھ پیٹھ پھیر کر بھاگنے پر مجبور ہوئے۔

قلبی کیفیت

ان تمام حالات کی تفصیلات سے سردار حارث کی بیٹی برہ کیسے بے خبر رہ سکتی تھی؟ ان واقعات نے اس کے قلب و ذہن کی دنیا میں تجسس اور تحقیق کا یہ جذبہ ابھار دیا تھا کہ آخر اس دین کے اصول و قواعد میں ایسی کیا خوبی ہے اور داعیؐ کی شخصیت میں ایسی کون سی جاذبیت ہے کہ ایک دفعہ جو ان سے تعلق قائم کرلیتا ہے اس میں اس درجہ استقامت و عزیمت اور بلا کی شیفتگی اور فدائیت پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر کوئی تحریص و ترغیب اور تہدید و تعذیب اس کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی لغزش پیدا نہیں کر سکتی۔

برہ یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ اس نئی تحریک کا ساتھ دینے والوں کی تعداد ملک کی کل آبادی کا ایک فی ہزار سے بھی کم ہے مگر پورا ملک ان کے نعرہ ہائے حق سے گونج رہا ہے۔ قرآنی آیات کے نغموں کی روح پرور صدائیں ہر قبیلے اور ہر بستی کے باشندوں کے کانوں تک پہنچ رہی ہیں۔ ان آیات میں ذہنوں اور دلوں کو مسخر کرنے اور اعمال و کردار میں انقلاب برپا کردینے کی قوت بھی ہے۔

اعتراف حقیقت

برہ جسے قدرت نے صالح فطرت اور عقل سلیم کی نعمت سے نوازا تھا وہ اپنے ملک کے حالات کے تجربے سے اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ اب قدیم جاہلی نظام دم توڑ رہا ہے۔ اب اس ملک اور عرب قوم کی قسمت دین اسلام سے وابستہ ہے۔ اور یہی دین حق و صداقت اور فوز و فلاح کا سرچشمہ ہے۔

گو وہ ایک مغلوب قوم کی بیٹی تھی اور فاتح قوم کے ہاتھوں اس کا خاوند اور اس کے قبیلے کے دس آدمی مارے جا چکے تھے۔ اس حالت میں اس کے دل میں مسلمانوں اور ان کے قائد کے خلاف نفرت و حقارت اور عداوت و دشمنی کے جذبات بھی بھڑک سکتے تھے۔ لیکن وہ حقیقت کو پا چکی تھی۔ اس نے اسے تسلیم کیا اور پورے شرح صدر کے ساتھ اس کی شہادت بھی دی۔

بارگاہ رسالت میں حاضری

اس نے اپنی قسمت کو اسلام کی نعمت اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پایاں رحمت کے دامن سے وابستہ کرلیا۔ وہ نیازمندانہ انداز میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی۔ اس کی اس حاضری کا منظر علامہ ابن سعد نے سیدہ عائشہؓ کی زبانی بیان کیا ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرے میں رونق افروز تھے اور میں اپنے حجرے کے دروازے کے قریب موجود تھی کہ ایک نوجوان عورت آئی۔ وہ آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتی تھی۔ میں اس کے حسن و جمال سے بے حد متاثر ہوئی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ آپؐ کے سامنے جائے کیونکہ میرا خیال تھا کہ جس طرح اس کی حسین و جمیل شخصیت نے میرے دل پر گہرا اثر کیا ہے، اسی طرح آپؐ بھی اس سے اثر لیں گے لیکن آنے والی

خاتون جرات کر کے حجرے میں داخل ہو گئی اور آپؐ کو مخاطب کر کے عرض گزار ہوئی:

"میں قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں۔ میرا نام برہ ہے۔ میں جس مصیبت میں مبتلا ہوں، اس کا آپ کو بخوبی علم ہے۔ میں باندی کی حیثیت سے ثابتؓ بن قیس انصاری کے حصے میں آئی ہوں لیکن باندی بن کر رہنا میرے شایان شان نہیں۔ میں نے ثابتؓ کو اس بات پر راضی کرلیا ہے کہ مجھ سے زر آزادی وصول کر کے مجھے آزاد کردیں۔ میرے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں۔ آپ کی خدمت میں مدد کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ آپ رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں تعاون فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں۔ یارسول اللہ! میں آپ پر ایمان لاچکی ہوں، اب آپ کی رحمت و شفقت کے سوا میرا کوئی سہارا نہیں۔"

آزادی ملتی ہے

دل کی گہرائی سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کو جوش میں لانے کا وسیلہ بن گئے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: "کیا تم اس بات کو پسند کرو گی کہ تمہارے ساتھ اس سے بہتر سلوک کیا جائے؟"

"وہ کیا؟ یارسول اللہ۔" برہ نے چونک کر پوچھا۔

آپؐ نے فرمایا: "وہ یہ کہ میں تمہاری طرف سے فدیہ کی رقم ادا کردوں اور تم آزادی حاصل کرنے کے بعد مجھ سے شادی کرلو۔"

برہ نے بے ساختہ جواب دیا: "یا رسول اللہ! میں راضی ہوں۔"

ام المومنین ہونے کا شرف

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابتؓ کو اپنے پاس بلایا اور برہ کی طرف سے مقررہ رقم ان کے حوالے کر کے اس کی آزادی کا اہتمام فرمادیا۔ اس کے بعد آپؐ نے چار سو درہم مہر کے عوض برہ کو اپنے عقد نکاح میں لے کر حرم نبوی میں شامل کرلیا اور ساتھ ہی ان کا نام بدل کر جویریہ رکھا۔

شادی کے اثرات

اس شادی کی اطلاع جب مدینہ منورہ کے انصار اور مہاجرین کو ملی تو انہوں نے بنو مصطلق کے تمام قیدی مردوں اور عورتوں کو جو اب ان کے پاس غلاموں اور باندیوں کی حیثیت سے موجود تھے' کسی قسم کا معاوضہ لیے بغیر آزاد کردیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس قبیلے کے ساتھ ہمارے محبوب آقا و مولاؐ نے رشتہ مصاہرت قائم کرلیا ہے۔ اب یہ لوگ رسولؐ اللہ کے رشتہ دار بن گئے ہیں' لہٰذا ہماری ایمانی غیرت کے سراسر منافی ہے کہ ہم ان لوگوں کو غلام اور کنیز کی حیثیت سے اپنے پاس رکھیں۔ اس پر سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے رشک بھرے انداز میں فرمایا:

"میری نظر میں کوئی ایسی عورت نہیں جو اپنی قوم کے لئے اتنی باعث برکت ثابت ہوئی ہو جتنی جویریہؓ۔"

حارث بن ابی ضرار کی داستان

قبیلہ بنو مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار جنگ کے موقع پر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر اس کے قبیلے کے دوسرے لوگوں کے ساتھ اس کی بیٹی کو بھی گرفتار کر کے اپنے ساتھ

مدینے لے گیا ہے تو ابن ہشام کے مطابق وہ بہت سے اونٹوں پر کافی سامان لاد کر اپنے دو بیٹوں کے ہمراہ مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ مدینے کے قریب وادی عقیق میں پہنچا تو اس نے دو قیمتی اونٹ وہاں چھپا دیے اور باقی سامان لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم میری بیٹی اپنے ساتھ لے آئے ہو۔ اس کا فدیہ لے لو اور اسے آزاد کر کے میرے حوالے کر دو۔

آپؐ نے فرمایا: "وہ دو اونٹ کہاں ہیں جو تم وادی عقیق میں چھوڑ آئے ہو؟" یہ سن کر حارث بے ساختہ پکار اٹھا: "میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اس کے سچے رسولؐ ہیں۔ اونٹ چھپانے کے میرے عمل سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہ تھا۔ اسی نے آپ کو اطلاع دی ہے۔" اس کے مسلمان ہوجانے پر اس کے دونوں بیٹے اور اس کے قبیلے کے اور بھی بہت سے لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد حارث نے آدمی بھیج کر چھپائے ہوئے اونٹ منگوائے اور ان سب کو رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کردیا۔ حضورؐ نے اس کی بیٹی کو آزاد کر کے اس کے حوالے کردیا۔ اس فیضان رحمت سے متاثر ہوکر وہ بھی ایمان کی دولت سے مالا مال ہوگئی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث کو اس کی بیٹی کے لئے نکاح کا پیغام دیا جس پر اس نے چار سو درہم مہر کے عوض نکاح کردیا۔

ایک اور روایت

علامہ ابن سعد نے سیدہ جویریہؓ کے حضورؐ کے ساتھ نکاح کے بارے

درج کیا جاتا ہے۔

سیدہ جویریہؓ کے باپ حارث نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں عرب کا رئیس اور سردار ہوں۔ میری بیٹی باندی بن کر نہیں رہ سکتی۔ آپؐ اسے آزاد کر کے میرے حوالے کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا: "بہتر یہ ہے کہ اس معاملے کا فیصلہ تمہاری بیٹی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔" حارث اس پر راضی ہو گیا۔ بیٹی کو بلایا گیا۔ باپ نے کہا "بیٹی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فیصلہ کا اختیار تجھے دے دیا ہے۔ دیکھنا، مجھے ذلیل و خوار نہ کرنا۔" بیٹی نے باپ کی بات سن کر پر اعتماد لہجے میں کہا:

"میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں دے دیا ہے۔"

اس کے بعد حضورؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔

ان روایات سے ایک بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ حارث بن ابی ضرار کی بیٹی برہ کا نکاح حضورؐ سے اس صورت میں ہوا کہ وہ غلامی سے رہائی پا چکی تھی۔ اپنی رائے کے اظہار اور اس پر عمل کی پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ اپنے آبائی مذہب سے متنفر ہو کر اسلام کے عادلانہ اور انسانیت نواز نظام پر دل و جان سے فریفتہ ہو چکی تھی۔ اسلام کی حلقہ بگوش ہو کر اب اس کے نزدیک رسولؐ اللہ کی شخصیت انسانیت کا بہترین نمونہ تھی اور اس سے وابستگی اور اس کی غلامی ہی تمام دکھوں کا مداوا تھی۔ شادی کی اس تقریب کو باپ کی بھی حمایت حاصل تھی اور بھائیوں کی بھی۔

ایک انقلاب

ایک قیدی کی حیثیت سے آئی۔ ذلت و خواری ایک قیدی کا مقدر ہوتی ہے۔ مگر جویریہ کی قسمت کے کیا کہنے کہ وہ قید و بند اور غلامی کی دلدل سے گزر کر عزت و آبرو اور شرف و وقار کے اس بلند مقام پر پہنچیں جس کی رفعت و عظمت کا اندازہ کرنا انسانی تصور سے ماوراء ہے۔ وہ اب رشک جناں حرم نبوی میں شامل تھیں۔ تمام اہل ایمان کی روحانی ماں تھیں۔ ایسی ماں جس کا ادب و احترام ہر کلمہ گو مسلمان کے دل میں اپنی حقیقی ماں سے بھی کہیں زیادہ ہے' جن کا نام اور جن کا ذکر آتے ہی ہر سچے اہل ایمان کی نگاہیں احترام سے جھک جاتی ہیں اور قلب و نظر کی دنیا میں ایمان و ایقان کی فصل بہار چمک اٹھتی ہے۔

ام المومنین سیدہ جویریہؓ نے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی پناہ میں دے کر جہاں دونوں جہان کی برکتیں اپنے دامن میں سمیٹ لیں وہیں ان کے اس اقدام نے ان کے خاندان اور قبیلے کی سوچ اور ان کے معاشرتی مرتبے میں ایک عظیم انقلاب بپا کردیا۔ وہ آزادی سے بہرہ ور ہوئے اور اسلام کے دامن عاطفت میں بھی آگئے۔

ایک اہم تاریخی سوال

یہ تو امر مسلم ہے کہ حضرت جویریہؓ' غزوہ بنو مصطلق کے بعد ام المومنین کے شرف سے مشرف ہوئیں' لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ یہ غزوہ کون سے سال پیش آیا۔ ابن سعد اسے غزوہ احزاب سے پہلے کا واقعہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جنگ شعبان ۵ھ میں ہوئی۔ اس کے برخلاف قدیم ترین سیرت نگار ابن اسحاق اسے شعبان ۶ھ یعنی غزوہ احزاب اور غزوہ بنی قریظہ کے بعد کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ہمارے نزدیک ابن اسحاق کی روایت ہی زیادہ معتبر اور اس دور کے حالات سے زیادہ مطابق ہے۔ تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ غزوہ بنو مصطلق وہ پہلا غزوہ تھا جس میں منافقین مدینہ کی بہت بڑی تعداد شامل ہوئی یہاں تک کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بھی بذات خود شریک ہوا۔ منافقین کا یہ گروہ جو بظاہر مسلمانوں میں شامل تھا' کسی ایسی فوجی مہم میں شرکت کے لئے تیار نہ تھا جس میں کسی خطرے یا نقصان کا امکان ہو' چنانچہ اس سے پہلے غزوہ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی اسی لئے اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ اسلامی لشکر سے علیحدہ ہوگیا تھا۔

۵ھ میں غزوہ احزاب کے موقع پر کفار عرب کی متحدہ طاقت کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو ساتھ ہی مدینہ یہودیوں کی شرانگیز فوجی طاقت سے بھی پاک ہوگیا۔ یہی وہ وقت تھا کہ پورے عرب میں مسلمانوں کے فوجی اور اخلاقی تفوق کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ ملک کے حالات پر گہری نظر رکھنے والا ہر شخص یہ محسوس کررہاتھا کہ اب فتح و کامرانی اہل اسلام کے پائے عزیمت کو چومنے کے لئے بے تاب ہے۔ حالات کی اسی موافقت نے منافقین کو اس بات پر آمادہ کیا کہ غزوہ بنو مصطلق میں شریک ہوکر کامیابیوں اور فتح مندیوں کے ثمرات میں حصہ دار بنیں۔ اس سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت جویریہؓ شعبان ۶ھ کے آخر یا ابتدائے رمضان میں کاشانہ نبوی میں داخل ہوئیں۔

رہائش گاہ

حضرت جویریہؓ کے لئے مسجد نبوی کے قریب ہی امہات المومنین کے دوسرے حجروں سے متصل ایک نیا حجرہ تعمیر کرایا گیا۔ اس کی تفصیل علامہ

ابن سعد نے کچھ اس طرح بیان کی ہے:" دیواریں کچی اینٹوں کی اور چھت کھجوروں کی شاخوں سے بنائی گئی جسے گارے سے لیپ دیا گیا تھا۔ دروازے پر اونی ٹاٹ کا پردہ تھا جس کا طول تین ہاتھ اور عرض صرف ایک ہاتھ تھا۔"

حرم نبوی کی پر محبت فضا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے لئے سراپا شفقت و محبت تھے۔ ہر ایک کی دلجوئی کا پورا پورا خیال فرماتے۔ آپؐ کا معمول تھا کہ نماز عصر کے بعد ازواج مطہرات کے گھروں میں تشریف لے جاتے جو پاس پاس تھے۔ ابتدا ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کے گھر سے ہوتی۔ ہر ایک کے پاس آپؐ تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے۔ جب ان کا گھر آجاتا جن کی باری ہوتی تو رات وہیں قیام فرماتے۔ بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن کی باری ہوتی' شام کے بعد حضورؐ وہاں تشریف لے آتے' سب ازواج مطہرات وہیں اکٹھی ہوجاتیں اور دیر تک محفل رہتی۔ دین اور دنیا کی باتیں ہوتیں۔ رات گئے سب رخصت ہوجاتیں۔

سیدہ جویریہؓ کی عالی ظرفی

حضرت جویریہؓ جب کاشانہ نبوی میں تشریف لائیں اس وقت درج ذیل محترم خواتین پہلے ہی ام المومنین کے بے مثل شرف سے باریاب ہوچکی تھیں: ۱۔ حضرت سودہؓ بنت زمعہ' ۲۔ حضرت عائشہؓ بنت ابوبکر صدیقؓ' ۳۔ حضرت حفصہؓ بنت عمر فاروقؓ' ۴۔ حضرت زینبؓ بنت جحش' ۵۔ حضرت ام سلمہؓ بنت سہل۔

ایک خاتون کے لئے اپنی سوکن کو خوشدلی سے برداشت کرنا اور اس

سے خیر خواہی و رواداری کا برتاؤ کرنا کوئی آسان کام نہیں' لیکن فیضان نبوت کے انوار نے ام المومنین سیدہ جویریہؓ کے دل کو ہر قسم کی تنگی' جلاپے اور حسد و کینہ کے سفلی جذبات سے پاک کردیا تھا' چنانچہ سیرت و تاریخ میں کسی ایسے واقعے کی نشاندہی نہیں ہوتی جس سے ظاہر ہو کہ ان کی اپنی کسی سوکن کے ساتھ تعلقات کبھی تلخ رہے ہوں۔ یہ ان کی سلامت طبع اور وسعت ظرف کا بین ثبوت ہے۔

ام المومنین سیدہ جویریہؓ کی طبیعت کا رجحان

ام المومنین سیدہ جویریہؓ کا بچپن ناز و نعمت میں اور جوانی تزک و احتشام کے عالم میں بسر ہوئی تھی۔ لیکن بیس سال کی عمر میں اسلام اور ام المومنین کے شرف سے بہرہ ور ہونے کے بعد ان کے مزاج اور ان کی طبیعت میں ایک تغیر عظیم رونما ہوگیا۔ گو انہیں اب وہ احترام اور اعزاز حاصل تھا جس کی نظیر دنیا کے کسی ایوان اقتدار میں نہیں مل سکتی لیکن انہیں احساس تھا کہ یہ سب عزو شرف اللہ کے دین اور اس کے رسولؐ سے نسبت اور تعلق کی بدولت ہے۔ اسی احساس و یقین نے ان کی طبیعت میں عجزو انکسار' تحمل و بردباری' ایثار و اخلاص اور بے نیازی و استغناء کی بے بہا اور اعلےٰ خوبیاں پیدا کردی تھیں۔ ذکر و عبادت اور انابت و تلاوت کا ذوق و شوق ان کے قلب و روح پر کچھ اس طرح چھا گیا تھا کہ ان کے تمام اعمال و اشغال کا محور یہی جذبہ روحانی قرار پاچکا تھا۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جویریہؓ کے گھر سے صبح کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ مصلے پر ذکرو عبادت میں مشغول تھیں۔ چاشت کے وقت جب آپؐ واپس

تشریف لائے، اس وقت بھی انہیں مصلے پر ہی پایا۔ اس پر آپؐ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم اس وقت سے یہیں بیٹھی ہو؟ جواب میں عرض کیا: "ہاں، یا رسول اللہ!" آپؐ نے فرمایا: "میں نے یہاں سے جانے کے بعد ایسے چار کلمات کہے ہیں کہ اگر ان کا وزن تمہارے اس عرصے کے تمام اوراد و اذکار سے کیا جائے تو وہ زیادہ بھاری ثابت ہوں گے۔ کلمات یہ ہیں: **سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ و رضا نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ**

نفلی روزوں کا اہتمام

ام المومنین سیدہ جویریہؓ اپنی روحانی بالیدگی اور تزکیہ نفس کی خاطر نفلی روزے کا خاص اہتمام فرماتی تھیں۔ ایک دفعہ جمعہ کے دن روزے سے تھیں۔ نبی کریمؐ نے پوچھا: "کیا تم گذشتہ روز بھی روزے سے تھیں؟"

کہا: "نہیں۔" آپؐ نے پھر دریافت فرمایا: "کیا کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے؟" عرض کیا: "نہیں۔" فرمایا: "افطار کردو۔"

ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی دن، خاص کر جمعے کو نفلی روزے کے لئے مخصوص کردینے کو ناپسند فرمایا۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "کوئی شخص جمعہ ہی کا روزہ نہ رکھے۔ اگر رکھے تو ایک دن آگے اور پیچھے بھی روزہ رکھے۔"

صدقے کی چیز کی شرعی حیثیت

ایک دن حضور اکرمؐ ام المومنین سیدہ جویریہؓ کے ہاں تشریف لائے اور پوچھا: "کچھ کھانے کو ہے؟"

عرض کیا: "میری لونڈی نے صدقے کا گوشت دیا تھا، بس وہی موجود

ہے۔"

آپؐ نے فرمایا: "وہی لے آؤ۔ جسے صدقہ دیا گیا تھا' اسے پہنچ چکا ہے۔"

سیدہ جویریہؓ کی روایات کی اہمیت

مومنوں کی ماں ہونے کی حیثیت سے حضرت جویریہؓ کی ایک اہم ذمے داری یہ بھی تھی کہ آفتاب نبوت کی جن روحانی شعاعوں کی وہ امین تھیں ان کی ضیا پاشیوں سے اپنی روحانی اولاد کو بھی مستنیر کریں۔ انہوں نے اپنے اس فرض کو بھی ادا کیا۔ ان کی روایات بیان کرنے والوں میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ' حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور حضرت جابرؓ جیسے صحابہ کرامؓ شامل ہیں۔ ام المومنینؓ کی بیان کردہ روایات کی تعداد سات ہے۔

عزیز واقارب

سیدہ جویریہؓ کے تمام بہن بھائی حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک عمروؓ بن حارث تھے جن سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے:

"خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے وقت نہ دینار چھوڑا نہ درہم' نہ غلام نہ لونڈی' نہ کوئی اور چیز۔ صرف ایک سفید خچر تھا یا ہتھیار تھے یا کچھ زمین تھی جسے آپؐ نے صدقہ فرمادیا۔"

اسی طرح ام المومنین سیدہ جویریہؓ کی ایک بہن جن کا نام عمرہؓ بنت حارث تھا' درج ذیل حدیث کی راوی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا بظاہر بڑی شاداب اور شیریں معلوم ہوتی ہے۔"

وفات

ام المومنین سیدہ جویریہؓ حضورؐ کے وصال کے بعد تقریباً" چالیس سال زندہ رہیں۔ انہوں نے اپنا یہ دور اپنی روحانی اولاد کی تعلیم و تربیت اور ہدایت و رہنمائی میں گزار دیا۔

آخر کار ۵۰ ھ میں بعمر ۶۵ سال داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے رحیم و کریم مالک کی بیکراں رحمتوں کے سایے میں محو استراحت ہوگئیں۔

ام المومنین کی نماز جنازہ مدینے کے گورنر "مروان" نے پڑھائی۔ جنت البقیع کو آپ کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

باب نمبر ۹

خدا کی راہ میں ہجرت کی مصیبتیں برداشت کرنے والی اور غیرت ایمانی سے سرشار خاتون

ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تعارفی جھلکیاں	۱۱۶
۲	ولادت اور خاندان	۱۱۷
۳	شادی	۱۱۸
۴	آفتاب نبوت کا طلوع	۱۱۹
۵	ہجرت حبشہ	۱۲۰
۶	تحریک اسلامی کی وسعت	۱۲۱
۷	ہجرت حبشہ کے اثرات	۱۲۳
۸	ہجرت حبشہ میں سیدہؓ کی شمولیت کی اہمیت	۱۲۴
۹	حبشہ میں مہاجرین کے ساتھ سلوک	۱۲۶
۱۰	حبشہ میں سیدہؓ کی کڑی آزمائش	۱۲۹
۱۱	بے چارگی کی انتہا	۱۳۰
۱۲	رحمتہ للعالمین کی رحمت کا سہارا	۱۳۱
۱۳	ستارہ قسمت اوج ثریا پر	۱۳۱
۱۴	تقریب نکاح	۱۳۲
۱۵	مدینے کو روانگی	۱۳۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۶	حرم نبویؐ کی صورت حال	۱۳۴
۱۷	مدینے میں ابوسفیان کی آمد	۱۳۶
۱۸	دور عثمانی میں سیدہؓ کی دلیری	۱۳۸
۱۹	سیدہؓ کے کردار کا ان کے خاندان پر اثر	۱۳۹
۲۰	ابوسفیانؓ کا کردار	۱۴۰
۲۱	حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ	۱۴۰
۲۲	حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ	۱۴۱
۲۳	زندگی کے آخری لمحات	۱۴۲
۲۴	فیضان عام	۱۴۳

پندرہ سال کے بعد باپ اپنی بیٹی کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ بیٹی باپ کو دیکھتے ہی احتراماً" کھڑی ہوجاتی ہے اور پوری خوشدلی سے استقبال کرتی ہے۔ ایک طویل عرصے کے بعد لخت جگر کو اپنے سامنے پاکر باپ کی شفقت ایک تلاطم خیز چشمے کی طرح ابل پڑتی ہے۔ فرط جذبات سے اس کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑتے ہیں۔ پاس ہی صحن میں ایک چارپائی پر صاف ستھرا بستر بچھا ہوا ہے۔ باپ اس پر بیٹھنے کے لئے چارپائی کی طرف قدم بڑھاتا ہے' لیکن بیٹی فوراً" بستر لپیٹ دیتی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر باپ پر حیرت اور تجسس کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ وہ قدرے برہمی کے انداز میں بیٹی سے دریافت کرتا ہے:" کیا اس بستر پر میرا بیٹھنا تجھے گوارا نہیں؟" بیٹی بڑے ادب سے عرض کرتی ہے:

" ہاں مجھے یہ پسند نہیں کہ آپ اس بستر پر بیٹھیں۔ یہ اللہ کے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بستر ہے۔ ابا جان! میری غیرت ایمانی یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ توحید کا درس دینے والے مقدس پیغمبر

کے پاک اور بابرکت بستر پر ایک مشرک بیٹھ کر اسے اپنی شرک کی گندگی سے داغدار کرنے کی جرات کرے۔"

باپ اپنی بیٹی کی یہ باتیں سن کر خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے اور غصے سے برافروختہ ہو کر یہ کہتے ہوئے باہر نکل جاتا ہے: "تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی۔"

اپنی بیٹی کے گھر آنے والا یہ باپ شہر مکہ کا سردار ابوسفیان تھا جس کے تدبرو فراست اور سیاست دانی کا چرچا پورے عرب میں تھا۔ اس کی شخصیت قریش کے مادی جاہ و جلال اور اس کے عسکری تزک و احتشام کی علامت تھی۔ اس کے تجارتی' سماجی اور سیاسی تعلقات صرف عرب کے طاقتور قبائل ہی سے نہیں بلکہ پڑوس میں واقع بڑی بڑی سلطنتوں سے بھی وابستہ تھے۔

یہ بیٹی ام حبیبہؓ تھی جس کے ظاہری حسن و جمال اور جس کی شائستہ عادتوں اور خصلتوں پر باپ کو بڑا ناز تھا' مگر اس نے قدیم جاہلی روایات سے بغاوت کر کے حق و صداقت کے نور سے اپنے سینے کو منور کر لیا تھا۔

اسی جرات مندانہ اقدام کی بنا پر اس کے آبائی شہر مکہ کی زمین اس پر تنگ ہو گئی ۔ اپنے بیگانے ہو گئے۔ محافظ اور سرپرست خون کے پیاسے بن گئے۔ انہی پر آشوب حالات میں اسے اپنا وطن چھوڑنا پڑا مگر اسلام کی اس حوصلہ مند بیٹی نے تمام مصیبتوں کو خوشی سے برداشت کیا۔ کوئی آزمائش اور کوئی سختی اسے راہ حق سے منحرف نہ کر سکی۔ اب وہ ام المومنین کے لازوال شرف سے مشرف تھی۔

ولادت اور خاندان

واقعہ فیل کے تیئیس برس بعد قریش کے ایک معزز قبیلے بنی امیہ کے

سردار ابوسفیان کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ماں باپ نے رملہ رکھا۔ ماں کا نام صفیہ بنت ابوالعاص تھا۔ عرب میں بیٹی کی ولادت باپ کے لئے رنج اور افسردگی کا پیغام لے کر آتی تھی مگر نومولود بچی کے چہرے اور بشرے میں کچھ ایسی جاذبیت تھی کہ باپ کا دل اسے دیکھ کر باغ باغ ہوگیا۔ گھر کا ماحول خوشگوار اور باوقار تھا۔ اسی ماحول میں اس بچی نے پرورش پائی جس سے عربی تہذیب کی تمام اعلیٰ اقدار اس کی طبیعت کا جزو بن گئیں۔ علامہ ابن سعد اور دوسرے ارباب سیر نے ان کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

رملہ(ام حبیبہ) بنت ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف

ان کی والدہ صفیہ حضرت عثمانؓ کی پھوپھی تھیں۔

شادی

ابوسفیان کی یہ لاڈلی بیٹی جب سن بلوغت کو پہنچی تو اس کی شادی عبید اللہ بن جحش سے ہوئی۔ عبید اللہ بن جحش کے خاندان کا تعلق بنوامیہ کے حلیفوں میں ہوتا تھا' اس لئے یہ خاندان بھی قریش میں محترم و معزز تصور کیا جاتا تھا۔ جحش کے نکاح میں بنو ہاشم کے سردار عبدالمطلب کی بیٹی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت امیمہؓ تھیں' اسی سے اس خاندان کی شرافت و نجابت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد اللہ نے اس جوڑے کو ایک لڑکی عطا فرمائی جس کا نام حبیبہ رکھا گیا۔ اس بچی کی نسبت سے حضرت رملہ کی کنیت ام حبیبہ مشہور ہوئی۔ اس کنیت کی شہرت نے ان کے اصل نام پر اتنا غلبہ پایا کہ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں یہی کنیت ان کے تشخص اور پہچان کی علامت بن

گئی۔

آفتاب نبوت کا طلوع

حضرت ام حبیبہؓ نے ابھی اپنی کتاب زندگی کے سترہ اوراق ہی پلٹے تھے کہ حرا کی چوٹیوں سے نبوت محمدی کا آفتاب حق و صداقت، امن و سلامتی اور مساوات انسانی کا انقلاب آفریں پیغام لے کر نمودار ہوا۔ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر حق کا داعیؐ اپنی دعوت توحید نہایت خاموشی اور احتیاط سے صاحب استعداد لوگوں تک پہنچاتا رہا۔ اسی لئے اس زمانے کو تاریخ اسلام میں "خاموش اور خفیہ دعوت کا دور" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو عرصہ تین سال پر محیط ہے۔

اس خفیہ دعوت کے تین سالہ دور میں شمع رسالت کے نور سے اپنے سینوں کو منور کرنے والے وہ خوش قسمت اصحاب تھے جن کی فطرت زمانے کے انسانیت سوز طوفان کے تھپیڑوں کے باوجود سلامت تھی۔ یہ کل ایک سو تینتیس افراد تھے جن میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی، آزاد بھی تھے اور غلام بھی، باحیثیت اصحاب بھی تھے اور بے بس بھی، مگر یہ سب عالی حوصلہ انسان تھے۔

انہی بلند کردار افراد کی جماعت میں سیدہ ام حبیبہؓ بھی شامل تھیں۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کے رفیق زندگی عبید اللہ بن جحش بھی راہ حق کے اس سفر میں ان کے شریک ہوگئے۔ اس طرح اس جوڑے کو قدیم الاسلام اور سابقون الاولون کا شرف حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

خفیہ دعوت کے بعد بحکم خداوندی دعوت عام کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت اور اپنے مشن کو

بندگان خدا تک پہنچانے کے لئے ہر محفل' ہر مجمع اور ہر میلے میں تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو کفر و شرک کے علم بردار اپنے مذہبی ' سماجی اور سیاسی مفادات خطرے میں پاکر بیخ پا ہوگئے اور اپنی پوری قوت سے اس تحریک کا راستہ روکنے کے لئے کمربستہ ہوگئے۔ اس طرح شہر مکہ کی پرامن بستی حق و باطل ' کفرو اسلام اور شرک و توحید کی آویزش گاہ بن کر رہ گئی۔ جو کمزور ' بے بس غلام اور بے سہارا باندی حق کی اس دعوت کو قبول کرلیتی اس کے لئے بڑی بے دردی سے تعذیب خانوں کے دروازے کھل جاتے۔ ان پر ظلم وستم اور اذیت و تشدد کے وہ پہاڑ توڑے جاتے جن کے تصور ہی سے انسانی روح لرز اٹھتی ہے۔ ان کشتگان ستم میں حضرت بلالؓ حضرت یاسرؓ حضرت عمارؓ اور حضرت سمیہؓ سرفہرست تھیں۔ وہ اہل ایمان جو صاحب حیثیت اور آزاد تھے اور جن کا تعلق طاقتور قبائل سے تھا وہ بھی بری طرح رگیدے گئے۔ اب ان کی عزت محفوظ تھی نہ جان۔ ان کے کاروبار تباہ کرنے کی کوششیں پورے عروج پر تھیں۔ گویا مکہ کی زمین اب شمع رسالت کے پروانوں پر بری طرح تنگ ہوچکی تھی۔

ہجرت حبشہ

انہی مخدوش حالات میں ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت کرجائیں' چنانچہ نبوت کے پانچویں سال گیارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل ایک قافلہ مکے سے نکل کر شعیبہ کی بندرگاہ کے راستے حبشہ پہنچنے میں کامیاب ہوگیا' لیکن پندرہ مسلمانوں کی اس ہجرت نے کفار مکہ کے غیظ و غضب کی بھڑکتی ہوئی آگ پر تیل کا کام کیا اور نتیجے کے طور پر ان کی

چیرہ دستیوں اور ستم رانیوں میں کئی گنا اضافہ ہوگیا' چنانچہ اگلے سال یعنی نبوت کے چھٹے سال ۱۰۱ اہل اسلام اپنے وطن کو خیرباد کہتے ہوئے صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر حبشہ میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کرنے کے لئے نکل پڑے۔

ان اولوالعزم مہاجرین کے قافلے میں سیدہ ام حبیبہؓ بھی اپنے شوہر سمیت شامل تھیں۔ سیدہ ام حبیبہؓ کا تعلق بنو امیہ کے خاندان سے تھا۔ اس خاندان کے درج ذیل افراد بھی اس سفر ہجرت میں شریک تھے:

① حضرت عثمانؓ بن عفان مع اپنی بیوی سیدہ رقیہؓ۔
② عمروؓ بن سعید بن العاص مع اپنی بیوی فاطمہؓ بنت صفوان۔
③ خالدؓ بن سعید بن العاص مع اپنی بیوی حمیہؓ بنت خلف۔

سیدہ ام حُبَیبہؓ کے شوہر عبیداللہ بن جحش کا تعلق بنی غنم سے تھا جو بنوامیہ کے حلیفوں میں سے تھا۔ اس خاندان کے عبداللہؓ بن جحش بھی اللہ کی راہ میں نکل پڑے۔

تحریک اسلامی کی وسعت

علامہ ابن ہشام نے اپنی کتاب "سیرت" میں ان مہاجرین کی پوری فہرست درج کی ہے جس کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ نبوت کے چھٹے سال تک تحریک اسلامی شدید ترین مزاحمت کے باوجود مکہ کے ہر قابل ذکر خاندان میں داخل ہوچکی تھی اور ان کے جوانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد اس سے متاثر ہوکر اس کو غالب کرنے کی جدوجہد میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہوچکی تھی' اسی طرح اب دین اسلام کی اس حیات انگیز تحریک ہجرت میں ہر قبیلے کو نمائندگی حاصل تھی جس کی

تفصیل کچھ اس طرح ہے:

نمبر شمار	قبیلے کا نام	ہجرت میں شامل ہونے والوں کی تعداد
(۱)	بنوہاشم سے	۲ افراد
(۲)	بنوامیہ سے	۶ "
(۳)	بنوامیہ کے حلیف خاندان سے	۶ "
(۴)	بنو عبدالشمس سے	۱ "
(۵)	بنو اسد بن عبدالعزیٰ سے	۴ "
(۶)	بنو عبدبن قصی سے	۱ "
(۷)	بنو عبدالدار سے	۸ "
(۸)	بنو زہرہ سے	۴ "
(۹)	بنو زہرہ کے حلیف خاندان سے	۳ "
(۱۰)	بنو تیم سے	۳ "
(۱۱)	بنو مخزوم سے	۸ "
(۱۲)	بنو مخزوم کے حلیف خاندان سے	۱ "
(۱۳)	بنو جمح سے	۱۶ "
(۱۴)	بنو سہم سے	۱۳ "
(۱۵)	بنو عدی سے	۴ "
(۱۶)	بنو عدی کے حلیف خاندان سے	۱ "
(۱۷)	بنو عامر بن لوی سے	۱۰ "
(۱۸)	بنو حارث بن فہر سے	۸ "

(۱۹) بنو عامر کے حلیف خاندان سے ۱ ″

ہجرت حبشہ کے اثرات

حبشہ کی یہ دوسری ہجرت بظاہر چند ستم رسیدہ انسانوں کی امن کی جگہ تلاش کرنے کی ایک کامیاب کوشش تھی، لیکن درحقیقت اس نے مکے کے تمام مشرک خاندانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس ہجرت سے ہر خاندان اور ہر قبیلہ متاثر ہوا تھا اور شرک و جاہلیت کے نشے میں بدمست ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، ان کی شخصیت، ان کی سیرت و کردار اور ان کی تعلیمات میں وہ کونسی مقناطیسی کشش ہے کہ ان لوگوں کے نوجوان بیٹے اور بیٹیاں اس سے متاثر ہوکر اپنے آبائی معتقدات سے باغی ہوگئے اور اس نئے نظام زندگی کے اصولوں پر ایسے فریفتہ ہوگئے کہ اب انہیں نہ خونی رشتوں کی پروا ہے نہ اپنے وطن کی راحتوں کا کچھ خیال، وہ اپنے دین کی خاطر اپنے رہنما و مرشد کے حکم پر بڑے سے بڑے ایثار اور بڑی سے بڑی قربانی پر بخوشی آمادہ ہیں۔

اس ابھرتے ہوئے سوال نے انہیں ایک طرف اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس نئی دعوت توحید اور اس کے داعیؐ کے اخلاق فاضلہ کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں، لیکن اس تجزیے سے انہیں اپنی اخلاقی شکست کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ دوسری طرف اس احساس ناکامی نے ان کے جذبہ مخالفت کے لئے مہمیز کا کام کیا جس سے ان کی مخاصمت میں اور تیزی آگئی۔

تحریک کی بین الملکی حیثیت

دوسری طرف حبشہ کی اس دوسری ہجرت سے اسلام کی

آفاقی تحریک ایشیا کی حدود سے نکل کر براعظم افریقہ کے وسیع و عریض خطے میں بھی داخل ہوگئی اور تاریخ شاہد ہے کہ براعظم افریقہ میں دین اسلام کی اشاعت کی داغ بیل اس ہجرت کے واقعے کے ساتھ ہی پڑ گئی تھی۔

ہجرت حبشہ میں سیدہ ام حبیبہؓ کی شمولیت کی اہمیت

جب مکہ معظمہ میں حق و باطل کی کشمکش اپنے عروج پر تھی' اگر اس وقت کے سیاسی اور انتظامی ڈھانچے کا جائزہ لیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قریش نے مکے کی ریاست کا انتظام چلانے اور اسے ہر قسم کی تخریبی کارروائیوں سے محفوظ رکھنے کے لئے تقسیم کار کا اصول اپنا رکھا تھا جس کے تحت ریاست کی مختلف ذمے داریاں مختلف قبائل کے سرداروں کے سپرد تھیں جس کی تھوڑی سی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

① خون بہا کے مقدمات کے فیصلے کا شعبہ --- خاندان بنی تیم کے حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھا۔

② سفارت کی ذمے داریاں --- خاندان بنی عدی کے حضرت عمرؓ بن خطاب کے سپرد تھیں۔

③ شعبہ مالیات --- خاندان سہم کے حارث بن قیس کے پاس تھا۔

④ کعبہ کی کلید برداری اور تولیت کا شعبہ --- عثمان بن طلحہ کے پاس تھا۔

⑤ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کا شعبہ --- خاندان بنی ہاشم کے حضرت عباسؓ کے سپرد تھا۔

⑥ فوجی سواروں کی افسری کی ذمے داری --- خاندان بنی مخزوم کے ولید بن مغیرہ کے پاس تھی۔

⑦ قریش کی فوج کی علم برداری ــــ خاندان بنی امیہ کے ابوسفیان بن حرب کے سپرد تھی۔

ظاہر ہے کہ قریش کے قائم کردہ نظام ریاست میں ابوسفیان کو نہایت اہم اور کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ قدیم نظام جاہلیت کا دفاع کرنے والی عسکری قوت کا سربراہ اور کمانڈر انچیف تھا۔ اس کے علاوہ اس دور میں جو لوگ قریش کے روٴسائے اعظم تھے اور جن کی عظمت و اقتدار کا اثر مکے کی پوری سوسائٹی پر تھا۔ مورخین کے نزدیک ان میں سرفہرست ابوسفیان کا نام تھا۔ اسی سردار ابوسفیان کی بیٹی سیدہ ام حبیبہؓ نے پیغمبرخدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا ساتھ دے کر اور اس مشن کی ترویج و ترقی کے لئے اپنا گھربار چھوڑ کر جانے والے قافلے میں شامل ہوکر عملی طور پر اس امر کا برملا اعلان کردیا کہ موجودہ جاہلی نظام، جس کی بقا اور تحفظ کے لئے اس کا باپ اپنی توانائیاں صرف کر رہا ہے، نہ تو انسانی فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اور نہ انسانی فلاح و سعادت کے لئے اس میں کوئی ضمانت ہے۔ اس کے برعکس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ دین سراسر حق ہے۔

حق و باطل کی آویزش کے اس مرحلے پر سیدہ ام حبیبہؓ کی یہ جرات مندانہ شہادت ہر سلیم الفطرت انسان اور ہر سوچنے والے شخص کے لئے بڑی فکر انگیز بھی تھی اور حوصلہ افزا بھی۔

مکے کے ۱۹ خاندانوں اور قبیلوں سے تعلق رکھنے والے افراد ہجرت کے اس سفر میں شریک تھے، حالانکہ انہی خاندانوں کے سردار اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے جس کی تفصیل اس طرح ہے:

(۱)	بنو ہاشم کا	ابولہب بن عبدالمطلب
(۲)	بنوامیہ کا	ابوسفیان بن حرب
(۳)	بنوعبدالشمس کا	عتبہ بن ربیعہ
(۴)	بنو اسد کا	ابوالبختری بن ہشام
(۵)	بنو عبدالدار کا	نضربن حارث
(۶)	بنو زہرہ کا	اسود بن یغوث
(۷)	بنو مخزوم کا	ابوجہل
(۸)	بنو جمح کا	امیہ بن خلف
(۹)	بنو عدی کا	عمر بن خطاب

ان قبائل کے سرداروں کی کھلم کھلا اسلام دشمنی کے باوجود انہی کے قبائل کے نوجوانوں کا اسلام کے دین کو قبول کرنا اور بھرپوری ثابت قدمی سے اس پر جم جانا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ لوگ سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ انہی بلند کرداراور باہمت جفاکشوں کے قافلے میں سیدہ ام حبیبہؓ کی شمولیت ان کے ایمان کی پختگی اور سیرت و کردار کی مضبوطی کا واضح ثبوت ہے۔

حبشہ میں مہاجرین کے ساتھ سلوک

حبشہ قریش کی پرانی تجارت گاہ تھی جہاں وہ تجارت سے خوب نفع کماتے تھے۔ اسی وجہ سے مہاجرین کو وہاں کوئی زحمت اور تکلیف پیش نہ آئی۔ مہاجرین خود بیان کیا کرتے تھے کہ وہاں بہت اچھی طرح رہے۔ اپنے دین کے معاملے میں پورے امن سے تھے۔ پوری آزادی سے ہم اللہ تعالیٰ

کی عبادت کرتے تھے۔ ہمیں کوئی اذیت نہ دی جاتی تھی اور نہ ہمیں کوئی ناگوار بات سننا پڑتی تھی۔

مہاجرین کو واپس لانے کے لئے قریش کی کوشش

قریش نے جب دیکھا کہ کلمہ توحید پڑھنے والے مسلمان حبشہ میں امن سے ٹک گئے ہیں تو اس کے سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے متفقہ فیصلہ کیا کہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو قیمتی تحائف کے ساتھ حبشہ بھیجا جائے تاکہ وہ حبشہ کے بادشاہ کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ان مہاجرین کو مکہ واپس بھیج دے۔

قریش کا یہ نمائندہ وفد حبشہ پہنچا۔ پہلے وہ دربار کے اعیان و ارکان سے ملا اور انہیں بہت سے تحفے پیش کر کے اپنا ہمنوا بنایا۔ اس کے بعد یہ وفد شاہی دربار میں حاضر ہوا۔ ارکان وفد نے پہلے شاہ حبشہ نجاشی کے سامنے سجدہ کیا، پھر اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے اور اپنی عرضداشت پیش کرتے ہوئے بیان کیا:

"ہمارے کچھ لوگ آپ کے ملک میں آئے ہیں۔ وہ ہم سے اور ہمارے دین سے الگ ہو گئے ہیں، اس لئے آپ انہیں ہمارے ساتھ واپس بھیج دیں۔"

شاہ نجاشی نے وفد کی باتیں سن کر مہاجرین کو بلا بھیجا:

چنانچہ مہاجرین حضرت جعفرؓ کی سرکردگی میں دربار میں تشریف لائے، لیکن وہ بادشاہ کو سجدہ کیے بغیر سلام کر کے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے درباری آداب کے مطابق سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو حضرت جعفرؓ نے اپنے ساتھیوں کی ترجمانی کرتے ہوئے پوری بے باکی اور جرات سے کہا:

"ہم خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔"

شاہ نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت، آپؐ کی تعلیمات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلمانوں کے عقیدے کے بارے میں سوالات کیے جن کے جوابات انہوں نے بڑی وضاحت سے دیے جنہیں سن کر نجاشی نے بھرے دربار میں یہ اعلان کیا:" خدا کی قسم! تم لوگ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے جو ہم عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتے ہیں۔ مرحبا تم کو اور اس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ بن مریم نے دی تھی۔ خدا کی قسم! اگر میں بادشاہی کی ذمے داریوں میں پھنسا ہوا نہ ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا' ان کی جوتیاں اٹھاتا اور ان کو وضو کراتا۔"

شاہی دربار میں مہاجرین کی حق گوئی اور راست بازی نے ثابت کردیا کہ جس دین حق پر وہ ایمان لائے ہیں وہ اپنے ایمان میں اتنے مخلص ہیں کہ اس کی خاطر گھربار' رشتے دار' کاروبار اور ملک و وطن چھوڑ کر غریب الوطنی کے شدائد برداشت کرنے کے لئے تیار ہوگئے بلکہ یہ بھی ثابت کردیا کہ اس جلاوطنی کی حالت میں بھی جبکہ وہ ہر قسم کے مادی سہاروں سے محروم تھے وہ حق کے معاملے میں کوئی مداہنت اختیار کرنے اور کسی طرح کی کمزوری دکھانے کے لئے تیار نہیں تھے۔

شاہ حبشہ نے مہاجرین کے خلوص اور ان کی ایمانی عزیمت سے متاثر ہو کر قریش کے وفد کو اس کے پیش کردہ تحائف واپس کردیے اور ساتھ ہی ملک میں پناہ لینے والے مہاجرین کو ان کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔

حبشہ میں سیدہ ام حبیبہؓ کی کڑی آزمائش

مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سولہ خواتین ایسی تھیں جو اپنے مسلمان شوہروں کے ساتھ اس مقدس سفر پر نکلی تھیں، ان میں سیدہ ام حبیبہؓ بھی تھیں جو اپنی بیٹی حبیبہؓ اور اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ساتھ حبشہ پہنچی تھیں۔ اس سرزمین میں مہاجرین کو عام طور پر امن و سکون بھی نصیب ہوا اور عزت و احترام بھی۔ مہاجر خواتین مطمئن تھیں کہ اس دنیا کی زندگی کے سفر میں شریک ان کے شوہر بھی ان کے اس اخلاقی اور روحانی سفر میں برابر کے شریک ہیں۔

مگر سیدہ ام حبیبہؓ کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ ان کی آزمائشوں میں اضافہ ہوگیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے خاوند عبید اللہ بن جحش ------ حبشہ آکر بری سوسائٹی کے جال میں پھنس گئے۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور ملنا جلنا ایسے اوباش لوگوں کے ساتھ ہوگیا جو مذہباً عیسائی تھے اور شراب کے رسیا۔ محفلوں کا یہ رنگ عبیداللہ پر بھی اثر انداز ہوا اور وہ بھی دخت رز کے شیدائی بن گئے۔ بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہنے لگے اور یہ بدمستی اور مدہوشی آخر کار انہیں ایمان اور اسلام کی پاکیزہ دولت سے محروم کرنے کا موجب بن کر رہی۔ انہوں نے عیسائیت اختیار کرلی۔ رفیقہ زندگی نے اسے سمجھانے بجھانے اور راہ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر بے سود۔ عبید اللہ کا طرز عمل نہایت جارحانہ اور اہل ایمان کے دلوں کو تکلیف پہنچانے والا ہوچکا تھا۔

عبید اللہ کا یہ رویہ ام حبیبہؓ کے لئے کتنا تکلیف دہ اور اذیت ناک تھا اور ان کے دل پر ہر لحہ اور ہر آن حزن و ملال کی کتنی تیز دھار آریاں چلتی

رہی ہوں گی اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتا ہے جس کو اس قسم کے الم انگیز حالات سے واسطہ پڑا ہو مگر سیدہ موصوفہ کو تقریباً" دس برس کا طویل عرصہ اسی ہلاکت خیز حالت میں گزارنا پڑا۔

جلا وطنی میں ماں باپ اور دوسرے تمام محبت کرنے والوں سے دور ایک شریف اور باحیا خاتون کے لئے اپنے شوہر کی بے وفائی' بدمستی اور فتنہ انگیزی کسی طرح بھی قیامت کے منظر سے کم نہ تھی۔ اس کی شخصیت کو توڑ پھوڑ دینے اور اس کے مزاج کے اعتدال کو تباہ و برباد کردینے کے لئے کسی اور حادثے کی ضرورت نہیں تھی' مگر یہ سیدہ ام حبیبہؓ کے کردار کی عظمت کا وہ لاثانی شاہکار ہے کہ انہوں نے ان تمام جاں گسل حالات کا مقابلہ بڑے صبر و تحمل اور عزیمت و استقامت سے کیا۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان کے نور نے جو نورانیت ان کی فطرت اور ان کی شخصیت میں پیدا کردی تھی اسی کے سہارے زندگانی کی تنگ اور تاریک گزرگاہوں میں بھی اپنے قدم کو جادہ مستقیم سے ادھر ادھر نہ ہونے دیا۔

بے چارگی کی انتہا

شراب نوشی کی کثرت نے عبید اللہ کی جسمانی صحت کے ڈھانچے کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ آخر کار ۶ھ میں اسی خستگی و شکستگی کی حالت میں وہ راہی ملک عدم ہوگیا۔ اس کی موت نے سیدہ کو پردیس میں بالکل بے یارو مددگار بنا دیا۔ سیدہ موصوفہ جب مکے سے ہجرت کے لئے نکلی تھیں تو ان کے ساتھ ان کے خاوند کے بھائی عبداللہؓ بن جحش بھی تھے اور ماموں زاد حضرت عثمانؓ بن عفان بھی' مگر یہ دونوں حضرات ہجرت مدینہ سے قبل ہی دوسرے کچھ مہاجروں کے ساتھ مکہ واپس آگئے تھے' جبکہ سیدہ ابھی تک دیگر

مسلمانوں کے ساتھ حبشہ ہی میں مقیم تھیں۔

رحمتہ للعالمین کی رحمت کا سہارا

جب تحریک اسلامی کے قائد سرور کونین رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ایک قدیم' مخلص اور جاں نثار پیروکار خاتون کی بے بسی و بے چارگی کا علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ وہ اپنے وطن سے دور عدت کے دن گزار رہی ہیں تو عدت کی مدت ختم ہوتے ہی آپؐ نے اپنے ایک صحابی عمروؓ بن امیہ ضمری کو اپنی طرف سے نکاح کا پیغام دے کر حبشہ بھیجا۔

ستارہ قسمت اوج ثریا پر

سیدہ ام حبیبہؓ نے اسلام کی خاطر جو بے پناہ اذیتیں بڑی بردباری سے برداشت کی تھیں وہ بارگاہ خداوندی میں ایسی مقبول ہوئیں کہ اب وہ وقت آگیا کہ وہ ایمان و ہجرت کی سعادت کے ساتھ ام المومنین کے شرف سے بھی مشرف ہوں' چنانچہ شاہ حبشہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ملتے ہی اپنی ایک خاص باندی ابرہ نامی کو سیدہ ام حبیبہؓ کے پاس بھیجا تاکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موصول شدہ پیغام نکاح ان تک پہنچا دے۔ سیدہ پہلے ہی ایک خواب دیکھ چکی تھیں جس میں ایک شخص انہیں ام المومنین کہہ کر پکار رہا تھا۔

ابرہ باندی کی باتوں میں اپنے اس مبارک خواب کی تعبیر پاکر سیدہ کی روح جھوم اٹھی۔ سیدہ نے خوشی کے اس موقع پر اپنے دل کی گہرائیوں سے منعم حقیقی کی بارگاہ میں نذرانہ تشکر ادا کیا اور خوشخبری لانے والی باندی کو بطور انعام اپنے جسم سے تمام زیور اتار کر پیش کردیے۔

تقریب نکاح

سیدہ ام حبیبہؓ کی طرف سے پیغام نکاح کی منظوری کی اطلاع پالینے کے بعد نجاشی شاہ حبشہ نے ایک باوقار تقریب کا اہتمام کیا جس میں حضرت جعفرؓ اور حبشہ میں موجود تمام مہاجر مسلمانوں کو مدعو کیا گیا۔ سیدہ کی طرف سے حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص نے وکالت کے فرائض انجام دیے۔ یہ سیدہ کے ہم قبیلہ تھے اور ساتھ ہی ہجرت کر کے یہاں آئے تھے۔ نجاشی نے خود نکاح کا خطبہ پڑھا جس کا مفہوم تھا:

"سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو بادشاہ ہے' نہایت مقدس' سراسر سلامتی' امن دینے والا' نگہبان' سب پر غالب' اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا اور بڑا ہی ہو کر رہنے والا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک مکتوب گرامی کے ذریعے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان کا نکاح ان کے ساتھ کردوں' چنانچہ میں نے ان کی خواہش پر چار سو دینار مہر کے عوض یہ نکاح کردیا ہے۔"

نجاشی کے بعد سیدہ کے وکیل خالدؓ بن سعید نے اپنے خطبہ میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام نکاح کو قبول کرتے ہوئے میں نے ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان کو ان کی زوجیت میں دے دیا ہے۔ اللہ اپنے رسولؐ پر برکتیں نازل فرمائے۔"

نجاشی نے جملہ حاضرین کے سامنے مہر کی رقم چار سو دینار حضرت خالدؓ

بن سعید کے حوالے کی۔ اب لوگوں نے اٹھنا چاہا تو نجاشی نے کہا کہ ولیمہ جملہ انبیا کی سنت ہے' اس لئے کوئی شخص کھانا کھائے بغیر نہ جائے' چنانچہ کھانا لایا گیا جسے سب نے تناول فرمایا۔ بعض روایات کے مطابق کھانے کی اس دعوت کا انتظام سیدہ ام حبیبہؓ کے وکیل حضرت خالدؓ بن سعید کی طرف سے کیا گیا تھا۔

اس تقریب نکاح کے بعد حضرت خالدؓ بن سعید نے مہر کی رقم اسی باندی ابرہ کے ہاتھ سیدہ کے پاس بھیج دی۔ سیدہ نے یہ رقم وصول کر کے اس میں سے پچاس دینار اسے بطور انعام دینا چاہے لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بادشاہ نے مجھے آپ سے ہر قسم کی چیز لینے سے منع کر دیا ہے' چنانچہ اس نے سیدہ کے عطا کردہ زیورات بھی لوٹا دیے اور کہا:

"میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے اللہ کا رسول مانتی ہوں' اس لئے جب آپ ان کے پاس پہنچیں تو مجھ ناچیز کا سلام ضرور ان کی خدمت میں پہنچا دیں۔ یہی میرا سب سے بڑا انعام ہے۔"

ابرہ باندی بادشاہ کے ملبوسات اور عطریات کی نگراں تھی۔ چنانچہ اس موقع پر اس نے بادشاہ کی طرف سے بہت سی قیمتی خوشبوئیں از قسم مشک وغیرہ بطور تحفہ سیدہ موصوفہ کی خدمت میں پیش کیں۔

مدینہ کو روانگی

حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شاہ حبشہ کے نام سیدہ ام حبیبہؓ کے لئے نکاح کا پیغام لے کر آئے تھے وہیں ان کے آنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اپنے ملک میں موجود مہاجرین کو مدینہ منورہ پہنچانے کا انتظام

اور تسلی بخش انتظام کردے' چنانچہ بادشاہ نے دو کشتیوں کا انتظام کیا۔ حضرت جعفرؓ کی قیادت میں مسلمان مہاجرین کا یہ قافلہ حبشہ سے روانہ ہوا۔ ویسے تو ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کو اس سفر میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں بلکہ روحانی بیٹوں کی معیت حاصل تھی' لیکن شاہ حبشہ نے حضرت شرحبیلؓ بن حسنہ کو خاص طور پر ان کی دیکھ بھال اور خدمت کے لئے مامور کردیا تھا۔

یہ دو کشتیاں جن میں سیدہ ام حبیبہؓ کے علاوہ سولہ اور مسلمان سوار تھے مدینے کی بندرگاہ جار تک پہنچیں۔ اس کے بعد یہ مسافر اونٹوں پر سوار ہوکر مدینہ منورہ پہنچے۔ ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چودہ سو جان نثاروں کے ساتھ خیبر کی مہم پر گئے ہوئے تھے' اس لئے سیدہ ام حبیبہؓ تو مدینہ ہی میں رہ گئیں' لیکن اس قافلے میں شریک کچھ مرد اپنے محبوب مرشد کی زیارت کے شوق میں اسی وقت خیبر روانہ ہوگئے۔ ان میں حضرت جعفرؓ بھی تھے۔ ان کی ملاقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عین اس وقت ہوئی جب خیبر کی مہم پوری کامیابی سے سر ہوچکی تھی۔ یہ ملاقات عظیم الشان خوشی و مسرت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ خیبر کی فتح ماہ محرم الحرام ۷ھ میں ہوئی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی مہم سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ تشریف لائے۔ سیدہ کو اپنی عقیدتوں اور محبتوں کی مرجع شخصیت کی خدمت میں باریابی حاصل ہوئی۔ گویا اب انہیں دین و دنیا کی سب سے بڑی دولت مل گئی تھی۔

حرم نبوی کی صورت حال

خوش قسمت خواتین بھی پہلے ہی اس حرم مقدس میں بحیثیت امہات المومنین موجود تھیں:

۱۔ سیدہ سودہؓ بنت زمعہ، ۲۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ، ۳۔ سیدہ حفصہؓ، ۴۔ سیدہ زینبؓ بنت جحش، ۵۔ سیدہ ام سلمہؓ، ۶۔ سیدہ جویریہؓ بنت حارث، ۷۔ سیدہ صفیہؓ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ گھرانہ سادگی کا مثالی نمونہ تھا۔ ہر بیوی کے لئے علیحدہ مکان یا حجرہ تھا لیکن یہ سب مکان کچے تھے۔ چھتیں کھجور کی شاخوں اور ٹہنیوں سے تیار کی گئی تھیں۔ دروازوں پر ٹاٹ کے پردے آویزاں تھے۔ گھر والوں کا اکثر گزارہ دودھ، کھجور اور جو کی روٹی پر تھا۔ فتوحات اور مال غنیمت کی آمد کے باوجود فقر و قناعت اور توکل ہی ان کا امتیازی نشان رہا۔

سیدہ ام حبیبہؓ جب ام المومنین کے اعزاز سے سرفراز ہوئیں تو ان کی عمر تقریباً ۳۷ سال تھی۔ ان کی بیٹی حبیبہؓ بھی ان کے ساتھ تھیں جنہیں رسول اللہ کے گھر میں تعلیم و تربیت کے زریں مواقع حاصل ہوئے۔

سیدہؓ ایک سمجھدار، بلند ہمت اور سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی دلجوئی اور خبرگیری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سیدہ خود فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مجھ سے حبشہ میں پیش آنے والے حالات و واقعات کے متعلق دریافت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح شاہ حبشہ نجاشی کے رویے اور طرز عمل کے بارے میں مختلف سوالات کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ اس کے حسن سلوک کے واقعات معلوم کر کے بہت

خوش ہوتے تھے اور اس کے حق میں خیر و برکت کی دعا فرماتے تھے۔"

مدینہ میں ابوسفیان کی آمد

۶ ھ میں قریش مکہ اور اسلام کے سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حدیبیہ کے مقام پر ایک معاہدہ صلح طے پاچکا تھا جس کی رو سے عرب کے ہر قبیلے کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ قریش کا حلیف بن جائے اور چاہے مسلمانوں کا۔ بنو بکر نے قریش کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم کرلئے اور بنو خزاعہ نے مدینہ کی جدید اسلامی ریاست سے۔ کچھ عرصہ بعد بنو بکر نے اپنی قدیم دشمنی کی بنا پر بنو خزاعہ پر رات کے وقت اچانک حملہ کرکے اس کے ۲۳ آدمی قتل کردیے۔ اس غارتگری میں قریش کے کچھ افراد نے بھی حصہ لیا۔ اس تباہی کے بعد بنوخزاعہ کے چالیس سوار عمرو بن سالم کی قیادت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریادی بن کر حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان کی پوری داستان غم سن کر فرمایا:

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' میں تمہاری حفاظت اسی طرح کروں گا جس طرح میں اپنی اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہوں۔"

اس کے بعد حضورؐ نے ایک قاصد قریش کے پاس ذیل کی تین شرطیں دے کر بھیجا:

① مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔ یا

② قریش' بنوبکر کی حمایت سے دستبردار ہوجائیں۔ یا

③ اعلان کردیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا ہے۔

قاصد کی زبان سے تیسری شرط سن کر قریش کے پرجوش لوگوں نے ایک

زبان ہو کر کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے۔

قاصد کی واپسی کے بعد قریش کے سمجھدار لوگوں کو اپنے اس طرزِ عمل پر سخت پشیمانی ہوئی' چنانچہ انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر معاہدے کی تجدید کے لئے بارگاہ رسالت میں بھیجا۔

ابوسفیان مدینے آیا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی' مگر آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد وہ اکابر صحابہ کرام مثلاً" حضرت ابوبکرؓ' حضرت عمرؓ حضرت علیؓ کے پاس پہنچا تاکہ وہ بارگاہ نبوت میں اس کی سفارش کر سکیں مگر کسی نے اس کی درخواست کو شرف قبولیت نہ بخشا۔

یہی مقصد لے کر وہ اپنی بیٹی ام المومنین سیدہ ام حبیبہ کے گھر بھی آیا۔ باپ بیٹی کی یہ ملاقات تقریباً" پندرہ سال بعد ہو رہی تھی۔ خونی رشتے کی قرابت کی وجہ سے اس ملاقات میں جذبات محبت کی شدت کا پیدا ہو جانا فطری امر تھا مگر اس طوفانی کیفیت میں بھی بیٹی نے خونی رشتے کے جذبات کو اپنے ایمانی اور دینی جذبات پر غالب نہ آنے دیا' چنانچہ جب باپ حضورؐ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے بستر لپیٹ دیا۔ اس پر باپ نے کہا:" میں نہیں سمجھ سکا کہ تو نے بستر کو مجھ سے بچایا ہے یا مجھے بستر سے بچایا ہے۔" اس پر بیٹی نے جواب دیا:

" یہ رسول اللہ کا بستر ہے اور تم مشرک اور نجس ہو۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ تم ان کے بستر پر بیٹھو۔"

بیٹی کی یہ بات سن کر باپ نے کہا:" خدا کی قسم' تم میرے بعد خراب ہو گئی ہو۔"

اس پر بیٹی نے برجستہ کہا:" ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ نے مجھے اسلام کی

نعمت سے سرفراز کیا ہے اور تم بہرے اور اندھے بتوں کی پرستش کرتے ہو' حالانکہ تم قریش کے سردار ہو اور بڑے ہو۔"

بیٹی کی یہ کھری باتیں سن کر ابوسفیان وہاں سے اٹھ آیا اور اپنے مشن میں ناکامی کے بعد مکے لوٹ گیا۔

✪

۱۱ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ یہ واقعہ تمام اہل ایمان کے لئے عموماً" اور اہل بیت کے لئے خصوصاً" بڑا ہی روح فرسا تھا مگر انہوں نے اس دکھ اور درد کو صبر سے برداشت کیا۔

ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر اپنے گھر کے سربراہ کی سرپرستی اور شفقت سے محروم ہوگئی تھیں' مگر ان کی روحانی اولاد ان کے ادب و احترام کے تمام لوازمات پورا کرنے کے لئے ہر آن مستعد تھی۔ خلیفہ رسول' صدیق اکبرؓ نے ان کی معاشی ضروریات کے لئے وظیفے مقرر کردیے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں جب صحابہ کرامؓ کے وظائف ان کی دینی خدمات میں سبقت کی بنیاد پر مقرر کئے تو اس معاملے میں سب سے زیادہ فوقیت اور اہمیت امہات المومنین کو دی۔

دور عثمانی میں سیدہ ام حبیبہؓ کی دلیری

خلافت عثمانی کے آخری دور میں مدینہ منورہ پر ایک ایسا وقت بھی آیا۔ جب اسلام دشمن طاقتوں کی سازش کے نتیجے میں بلوائیوں نے دربار خلافت کو محاصرے میں لے لیا اور خلیفہ وقت اپنے گھر کی چاردیواری میں قید ہوکر رہ گئے۔ باہر سے ان کے پاس ضرورت کی کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اللہ کے رسول کا وہ شیدائی جس نے دیار رسولؐ میں میٹھے پانی کا کنواں اپنی ذاتی رقم

سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کیا تھا' اسی شہر میں آج وہی بندہ خدا پانی کی ایک ایک بوند کو ترس رہا تھا۔ مومنوں کی ماں سیدہ ام حبیبہؓ اپنے ایک روحانی بیٹے کی یہ بے بسی اور بے چارگی دیکھ کر تڑپ اٹھیں اور ہر قسم کے خطرات سے بے نیاز ہو کر پانی کا ایک مشکیزہ اور کچھ کھانا لے کر اپنے گھر سے نکلیں اور خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف چل دیں۔ ام المومنینؓ نے کھانے پینے کا سامان چھپا کر رکھا ہوا تھا تاکہ بلوائی اور فسادی اسے دیکھ کر چھین نہ لیں' مگر فسادیوں میں سے کچھ لوگوں نے ان کو روک لیا اور خچر کے منہ پر تھپڑ مارا۔ سیدہ ام حبیبہؓ نے فرمایا:

"مجھے عثمانؓ تک پہنچنے دو۔ میں ان سے بنوامیہ کے بطور امانت رکھے ہوئے اموال کے متعلق گفتگو کرنے آئی ہوں تاکہ یتیموں اور بیواؤں کا یہ مال یونہی برباد نہ ہو جائے۔"

اس پر ایک طرف سے آواز آئی یہ جھوٹی ہے اور تلوار سے خچر کی رسی کاٹ ڈالی۔ اس پر ام المومنین کو سخت ملال ہوا اور وہ خچر سے گرتے گرتے بچیں۔ کچھ لوگوں نے ان کو ان کے گھر واپس پہنچا دیا۔

سیدہ ام حبیبہؓ کے کردار کا ان کے خاندان پر اثر

سیدہ ام حبیبہؓ اسلام کے ابتدائی دور میں جب حق و صداقت کی تحریک سے وابستہ ہوئیں تو وہ اپنے خاندان میں واحد خاتون تھیں۔ ماں باپ اور بہن بھائی سب مخالف کیمپ میں تھے جس سے سیدہ کے لئے شدائد و مصائب کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

سیدہ ام حبیبہؓ کا آبائی گھرانا معمولی گھرانا نہ تھا۔ اس کے افراد میں قیادت و رہنمائی اور تدبر و فراست کی بڑی صلاحیتیں تھیں۔ جب تک وہ کفر

و شرک کے کیمپ سے وابستہ رہے دین حق اور تحریک اسلامی کے خلاف اپنی قوتوں کو بروئے کار لاتے رہے۔ لیکن جب ان کے دل اسلام کی صداقت سے منور ہوگئے تو ان کی ساری سرگرمیاں اسلام کی بالادستی کے لئے وقف ہوگئیں۔

ابوسفیان کا کردار

ابوسفیان ' سیدہ ام حبیبہؓ کا باپ اور قریش کا سالار اعظم تھا۔ غزوہ احد اور غزوہ احزاب کے موقع پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں مخالف فوجوں کا کمانڈر انچیف تھا' لیکن جب فتح مکہ سے دو دن پہلے اسلام و ایمان کی نعمت سے بہرہ ور ہوا اور عفو نبوی کے مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تو حضورؐ کی عظمت کا دل سے قائل ہوگیا اور اپنے قلبی تاثرات کا اس طرح اظہار کیا:

"یا رسول اللہ! آج سے پہلے آپ کی ذات اور آپ کا دین میری نگاہ میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا لیکن آج آپ کی شخصیت اور آپ کی تعلیمات میرے نزدیک سب سے زیادہ محترم اور محبوب ہیں۔"

اس کے بعد جنگ حنین اور جنگ طائف میں حضورؐ کی زیر کمان اسلامی سپاہ میں شامل ہوکر داد شجاعت دی۔ رومیوں کے خلاف لڑی جانے والی جنگ یرموک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مسلمانوں کو دلیری اور بہادری سے آگے بڑھنے کی تلقین و ترغیب دیتے رہے۔ اسی معرکے کے دوران میں ایک تیر ان کی آنکھ میں آکر لگا جس سے ان کی اس آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔

حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ

حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ سیدہ ام حبیبہؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ بھی فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ شجاعت اور بہادری کی صفات کے ساتھ ساتھ عسکری قیادت کی صلاحیتوں سے پوری طرح بہرہ ور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قیصر روم کی ٹڈی دل فوجوں کے مقابلے کے لئے خلیفہ رسول' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمانوں کے سرفروش اور پرجوش مجاہدین کے جتھے ملک شام کی طرف روانہ کیے تو ان کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ہر فوج پر قابل اعتماد اور فن حرب میں ماہر جرنیل کو نامزد کیا۔ ان میں حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ بھی شامل تھے۔

حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ

حضرت معاویہؓ سیدہ ام حبیبہؓ کے باپ شریک بھائی تھے۔ یہ بھی فتح مکہ کے دن مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضورؐ نے انہیں کاتب وحی مقرر کیا۔

ان کے کارناموں کی ابتداء عہد صدیقی میں ہوئی۔ شام کی فوج کشی میں ان کا پورا گھر شریک تھا۔ انہیں اپنے بھائی یزیدؓ بن ابی سفیانؓ کی سرکردگی میں بعض موقعوں پر فوج کی قیادت کے فرائض بھی انجام دینے کا موقع ملا۔

۱۸ ھ میں جب ان کے بھائی یزیدؓ کا انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ دمشق کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں پورے ملک شام کا والی بنا دیا۔ اس دور میں انہوں نے پہلی دفعہ اسلامی جنگی بحری بیڑہ تیار کر کے جزیرہ قبرص فتح کیا۔

حضرت جویریہؓ

یرموک کے معرکے میں جب دشمن سپاہ کا دباؤ بہت بڑھ گیا اور مسلمان

مجاہدین پیچھے ہٹنے لگے تو مسلمان خواتین اپنے خیموں سے اپنے مردوں کو غیرت دلانے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے باہر آگئیں۔ انہی باہمت اور بلند حوصلہ خواتین میں ابوسفیانؓ کی بیٹی جویریہؓ بھی تھیں۔ یہ اپنے خاوند کے ساتھ اس معرکے میں شریک ہوئی تھیں اور بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئیں۔

الغرض ابوسفیانؓ اور اس کے خاندان نے آغاز اسلام میں اللہ کے رسولؐ کی دشمنی کی روش اختیار کرکے اپنے اعمالنامے میں جو سیاہی جمع کی تھی اس کو دھونے اور اپنی غلطیوں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے اسی رسول خدا کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں اور قوتیں وقف کردیں۔ اس انقلاب حال میں جہاں دوسرے معاشرتی اور سیاسی عوامل کارفرما تھے' ہمارے نزدیک ان میں سب سے اہم اور سب سے موثر اور طاقتور وسیلہ ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کا مثالی اور پرعزم کردار تھا۔ سیدہ کے مسلسل ایثار اور مستقل ثابت قدمی نے ان کے خاندان والوں کی آنکھیں کھول دیں اور ان کے ذہنوں اور دلوں کو حقیقت وراستی کا اعتراف کرنے کے لئے ہموار کیا۔

زندگی کے آخری لمحات

ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کا جب آخری وقت آیا تو انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہؓ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا:

"میرے اور تمہارے درمیان سوکنوں کا رشتہ تھا جس سے ہمارے درمیان کبھی کچھ نوک جھونک بھی ہوجایا کرتی تھی۔ میں نے جو کچھ کہا سنا اسے خدا کے لئے معاف کردیں۔"

دونوں نے یک زبان ہو کر کہا: "ہم نے معاف کر دیا۔" اس پر سیدہ نے فرمایا۔

"آپ نے مجھے خوش کیا۔ خدا آپ کو خوش رکھے۔"

سیدہ موصوفہ نے بعمر ۷۲ سال ۴۴ھ میں بمقام مدینہ وفات پائی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ قدیم الاسلام تھیں۔ اسلام کی خاطر انھوں نے سخت سے سخت مصائب کا مقابلہ کیا تھا۔ وہ نیک فطرت اور صالح خاتون تھیں۔ ایمان پر استقامت اور اتباع رسولؐ کا والہانہ جذبہ ان کی روشن سیرت کا اصلی جوہر تھا۔ ان کی پوری زندگی شریعت اور فرمان رسولؐ کی پیروی کی ایک ایسی منور قندیل تھی جس سے قیامت تک آنے والی نسلیں روشنی حاصل کرتی رہیں گی۔

فیضان عام

ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ نے امت مسلمہ کی روحانی ماں اور معلمہ ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمے داریاں بڑی خوش اسلوبی اور احتیاط سے انجام دیں۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رفاقت کی برکت سے علم و حکمت اور حقیقت و معرفت کا جو فیضان انہیں حاصل ہوا' اسے روحانی اولاد تک منتقل کرنے میں پوری مستعدی اور فرض شناسی کا ثبوت دیا۔ ان سے ۶۵ احادیث مروی ہیں جن میں سے دو کو امام بخاری اور امام مسلم نے متفقہ طور پر اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور باقی احادیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی روایات بیان کرنے والوں میں صحابہ کبار بھی ہیں اور جلیل القدر تابعین بھی۔

باب نمبر۱۰

یہودی ذہنیت کو آشکار کرنے والی سلیم الفطرت اور پیکر مہر و وفا خاتون

ام المومنین سیدہ صفیہؓ بنت حیی

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تعارفی جھلکیاں	۱۴۹
۲	ابتدائی حالات	۱۵۳
۳	رحمتِ عالم کی مدینے میں آمد	۱۵۴
۴	مدینے کے یہودی	۱۵۵
۵	سید المرسلین کا ان کے ساتھ فیاضانہ سلوک	۱۵۵
۶	یہودیوں کی سوچ	۱۵۷
۷	یہودیوں کے عناد کی وجہ	۱۵۹
۸	بدر کی فتح اور ان کے غیظ و غضب کی انتہا	۱۶۰
۹	پہلی عہد شکنی	۱۶۰
۱۰	بنی قینقاع کا انجام	۱۶۱
۱۱	سیدہ صفیہ کے قبیلے کی غداری	۱۶۲
۱۲	الٹی میٹم	۱۶۳
۱۳	کارروائی	۱۶۴
۱۴	بنو نضیر کی غداری کا قرآن میں ذکر	۱۶۴

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۱۶۵	ذہنی پستی کا بے مثل مظاہرہ	۱۵
۱۶۶	سیدہ صفیہ کی شادی	۱۶
۱۶۷	سیدہ کے قبیلے کی خیبر میں آمد	۱۷
۱۶۸	وہی پرانی روش	۱۸
۱۶۸	جنگی حکمت عملی میں تبدیلی	۱۹
۱۶۹	مدینے پر یورش	۲۰
۱۷۰	سیدہ صفیہؓ کے ننھیالی قبیلے کا عبرتناک انجام	۲۱
۱۷۲	سیدہ صفیہؓ کے باپ کا عبرتناک انجام	۲
۱۷۲	سیدہ صفیہؓ کی دوسری شادی	۲۳
۱۷۴	سیدہ صفیہؓ کی قلبی اور روحانی کیفیت	۲۴
۱۷۸	سیدہ صفیہؓ کے خاندان کی تباہی	۲۵
۱۷۸	رحمۃ للعالمین کا ابر رحمت	۲۶
۱۷۹	سیدہ صفیہؓ بارگاہ رسالت میں	۲۷
۱۸۴	نکاح اور رسم عروسی	۲۸
۱۸۶	باہمی محبت و الفت کا نزول	۲۹
۱۸۷	ولیمہ کا اہتمام	۳۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳۲	مدینے کا پر مسرت منظر	۱۸۹
۲۲	عالی ظرفی اور مروت کا مظاہرہ	۱۹۰
۳۴	حرم نبیؐ میں	۱۹۰
۳۵	خانہ داری میں سیلقہ شعاری	۱۹۲
۳۶	ایک لطیف نکتہ	۱۹۱
۳۷	دلجوئی اور قدر افزائی	۱۹۵
۳۸	سیدہ صفیہؓ کی حضورؐ سے والہانہ محبت	۱۹۷
۳۹	غم و اندوہ کا کوہ گراں ٹوٹ پڑا	۱۹۹
۴۰	ام المومنین کی حیثیت سے فرائض کی ادائیگی	۲۰۰
۴۱	دل کی دردمندی	۲۰۲
۴۲	وفات	۲۰۳

"ایک خاتون جنگی قیدی کی حیثیت سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتی ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خاتون سے): "تجھے اسلام کی دعوت دی جاتی ہے۔ اگر خوشی سے اسے قبول کرتی ہو تو میں تجھے عزت و احترام سے اپنے پاس رکھ لوں گا۔ اگر تجھے اپنا آبائی مذہب ہی پسند ہے تو بھی تجھے آزاد کر کے تیری قوم کے پاس بھیج دیا جائے گا۔ فیصلے کی پوری آزادی دی جاتی ہے۔"

خاتون: "یارسول اللہ، آپؐ کے دعوت دینے سے پہلے ہی اسلام کی حقانیت اور محبت میرے دل میں گھر کر چکی ہے۔ میرا باپ، میرا چچا، میرا شوہر اور میرے خاندان کے دوسرے لوگ آپؐ کی اندھی دشمنی کی آگ میں جل کر بھسم ہو چکے ہیں۔ اب میرا یہودیوں سے اور ان کے مذہب سے کیا واسطہ؟ میں تو پورے خلوص سے اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے دامن

رحمت سے وابستہ کر چکی ہوں۔"

رسولؐ اللہ :"تیرا باپ تمام یہودیوں میں میرا سب سے بڑا اور سب سے سخت دشمن تھا۔ خدا نے اس کی مفسدانہ حرکات کی پاداش میں اسے قتل کرا دیا ہے۔"

خاتون :" یارسول اللہ' خدائے کریم خود اپنی کتاب میں فرماتا ہے کہ "کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔" اس لئے اس کے اعمال اس کے ساتھ اور میرے اعمال میرے ساتھ ۔"

رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہونے والی یہ خاتون یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی اور خیبر کے ذی حشمت رئیس کنانہ بن ربیع کی بیوی تھی۔ وہ مسلسل چھ سال سے اپنے خاندان' اپنے قبیلے اور اپنی ہم مذہب قوم کی اسلام اور اللہ کے آخری رسولؐ کے خلاف معاندانہ اور مفسدانہ طرز عمل کا بغور مشاہدہ کر رہی تھی۔ وہ یہ بھی دیکھ رہی تھی کہ اس کا باپ' چچا' اور دیگر سردار اس حقیقت کو دل سے تسلیم کرنے کے باوجود کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وہی سچے نبی ہیں جن کا ذکر توراۃ میں موجود ہے اور وہ وہی دین اور وہی تعلیم پیش کر رہے ہیں جس کی خود ان کی مذہبی کتاب تصدیق کرتی ہے۔ یہ صورت حال اس خاتون کے دل میں ایک خلش اور ایک چبھن پیدا کر رہی تھی۔ وہ سراپا اضطراب تھی۔ اس کا ذہن ارجمند اور اس کا قلب سلیم اپنی قوم کی حق کے خلاف ریشہ دوانیوں اور عیارانہ سازشوں کے لئے وجہ جواز تلاش کرنے سے قاصر تھا۔ اس کی فطرت اور اس کی طبیعت کی صالحیت اسے یہ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی کہ اس کے ہم مذہبوں کا انجام کتنا خوفناک اور دردناک ہوگا کیونکہ اس

کا گھرانا اہل علم کا گھرانا تھا۔ وہ اپنے بڑوں سے بارہا سن چکی تھی کہ خدا اور اس کے رسول کے مقابلے میں طغیان و سرکشی اور انکارو بغاوت کی روش اپنانے والے ہمیشہ تباہی و بربادی اور ناکامی و نامرادی سے ہم کنار ہوئے ہیں۔

اپنے خاندان اور اپنے قبیلے کے غیر منصفانہ رویے پر وہ سراپا احتجاج تھی۔ لیکن وہ ایک عورت ذات تھی۔ سماج کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی تھی۔ اپنے دل کی بات کہنے کا اسے کوئی موقع میسر نہ تھا۔ اس کے باوجود اس کی اپنی ایک سوچ تھی۔ وہ دل کی گہرائی سے اپنی قوم کے طرز عمل سے متنفر اور بیزار تھی۔ اس کا پاکیزہ ذہن' اس کی صاف و شفاف روح اور ہر قسم کے تعصبات سے پاک اس کا دل خدا کے دین حق یعنی اسلام کی صداقت کا قائل ہوچکا تھا۔ وہ اپنی قوم کے اخلاقی معیار کے مقابلے میں رسولؐ اللہ اور ان کے ساتھیوں کے پاکیزہ کردار کی برتری کی بھی معترف ہوچکی تھی۔ اس حقیقت پسندی نے اس کی روحانی بالیدگی میں بے پناہ اضافہ کردیا تھا۔

آخرکار وہی ہوا جس کا اس پر ہیبت اور بارعب سردار کی سعید الفطرت بیٹی کو اندیشہ تھا۔ یہودی قبیلے اپنے بے کراں سازو سامان' مال و دولت کی فراوانی اور جنگ جو افراد کی کثرت کے باوجود خدا اور رسولؐ کے مقابلے میں اہل ایمان کے ہاتھوں نہایت ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوئے۔ اب خیبر کی جنگ میں یہودیوں کی پوری سیاسی اور عسکری قوت چکنا چور ہوکر رہ گئی۔ اس محاذ آرائی میں اس خاتون کا باپ' چچا' بھائی' شوہر اور دوسرے اہل خاندان خاک و خون میں لتھڑ چکے تھے۔ اب یہ سردار کی بیوی اور رئیس کی لخت جگر ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے اس ہستی کی بارگاہ میں پیش ہوئی ہے جو اس وقت فاتح ہے لیکن ساتھ ہی وہ رحمتہ للعالمین بھی ہے۔ یہ رئیسہ بے

بسی و بے کسی کی تصویر بنی ہوئی ہے اور اپنوں کی لرزہ خیز ہلاکت کے صدمات سے چور چور ہے۔ لیکن یہ غلامی، یہ بے بسی اور غم واندوہ کی یہ فراوانی اس کی قسمت میں انقلاب انگیز تبدیلی کا موجب بن جاتی ہے۔ وہ آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوتی ہے۔ صرف جسمانی آزادی سے ہی نہیں بلکہ ضمیر کی لازوال آزادی کی دولت سے بھی۔ اسے اپنے مافی الضمیر کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ وہ کفر و ضلالت اور نفاق و عناد کی تاریک راہوں کو خیرباد کہہ کر ایمان و اسلام اور حق و صداقت کی منور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا دو ٹوک اعلان کرتی ہے۔ اس کی یہ حق پسندی بارگاہ ایزدی میں مقبول ہوئی۔ خدا کے پیغمبراعظم نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے اس کی قلبی کیفیت کا جائزہ لے کر پہلے لمحے میں ہی اس کے دل اور زبان کی ہم آہنگی اوراس کے اخلاص و ایمان پہ مہر تصدیق ثبت فرمادی۔ اس خوش قسمت خاتون کا نام صفیہ تھا۔ جو اپنے انصاف پسند مزاج اور حق شناس فطرت کی بدولت انسانیت کے اس بلند ترین اعزاز سے سرفراز ہوئی جو ایک خاتون کے شرف کی معراج ہے، یعنی ام المومنین ہونے کا لافانی شرف۔

ابتدائی حالات

سیدہ صفیہ واقعہ ہجرت سے دس سال پہلے مدینے میں پیدا ہوئیں۔ باپ کا نام حیی تھا مورخین نے ان کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے صفیہ بنت حیی بن اخطب بن سعید بن عامر بن عبید بن خزرج بن ابی حبیب بن نضیر بن تخام بن میخوم (یہ سلسلہ بنی اسرائیل کے عظیم پیغمبر حضرت ہارون علیہ السلام تک جا پہنچتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے۔

ماں کا نام "برہ" یا "ضرہ" تھا جو قبیلہ بنی قریظہ کے سردار سموئیل کی بیٹی تھی۔ سیدہ کا باپ حیی بن اخطب یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کا سردار تھا۔ یہ قبیلہ صدیوں سے مدینے میں آباد تھا۔ مادی اور عسکری نقطہ نظر سے نہایت مضبوط اور طاقتور تھا۔ "حیی" اپنے قبیلے کا سردار ہونے کے ساتھ ساتھ توراۃ کا ایک متبحر عالم بھی تھا۔ سیادت، علمی وجاہت اور خاندان نبوت سے نسبت کی وجہ سے عرب کے تمام یہودیوں میں اسے ایک اہم اور منفرد مقام حاصل تھا۔

واقعہ ہجرت کے وقت سیدہ صفیہ کے قبیلہ بنی نضیر کے علاوہ دو اور یہودی قبیلے بنی قینقاع اور بنی قریظہ بھی مدینے میں آباد تھے۔ لیکن ان تینوں قبیلوں میں قبیلہ بنی نضیر کو ہر لحاظ سے برتری حاصل تھی۔

اس طرح سیدہ صفیہ نے جس گھر میں جنم لیا وہ سیادت و نجابت کا گہوارہ تھا۔ مال و دولت کی فراوانی تھی۔ اس لئے ان کی پرورش پورے ناز و نعم سے ہوئی۔ علمی گھرانا ہونے کی وجہ سے انہیں یہ مواقع بھی حاصل ہوئے کہ انکی ذہنی صلاحیتیں اس طرح نشوونما پائیں کہ وہ صحیح و غلط اور حق و باطل میں بہ آسانی تمیز کرسکیں۔ وہ اپنے خاندانی ماحول کی وجہ سے انبیاء علیہ السلام

کی بنیادی تعلیمات یعنی توحید، رسالت اور معاد سے بھی بخوبی واقف تھیں۔ قدرت نے انہیں ذہانت و فطانت اور تہذیب و شائستگی کی دلنواز خصوصیات سے پوری فیاضی سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بچپن میں ہی اپنی عادات و اطوار کی پاکیزگی کی بدولت اپنے خاندان میں ہر دلعزیز تھیں۔ وہ خود فرماتی ہیں کہ میرے باپ اور چچا اپنی تمام اولاد میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرتے تھے اور جب میں ان کے پاس آتی تو وہ سب کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔

رحمت عالمؐ کی مدینے میں آمد

جب سیدہ صفیہ اپنی زندگی کی دس منزلیں طے کر کے گیارہویں منزل میں قدم رکھ رہی تھیں ۔ اس وقت ان کے شہر یثرب میں ایک تاریخ ساز واقعہ پیش آیا جس نے اس شہر اور اس کے مکینوں کی قسمت ہی بدل کر رکھ دی۔ یہ واقعہ ہجرت تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی شہر مکے سے ہجرت کر کے یثرب تشریف لائے۔ آپؐ کی تشریف آوری سے یثرب مدینہ منورہ بن گیا۔ آپؐ کی آمد کا شہرہ سارے شہر میں پھیل گیا۔ اہل ایمان نے آپ کا استقبال مخلصانہ اور والہانہ جوش و خروش سے کیا۔ ان کے دلوں میں مسرت و انبساط کی روح پرور لہر دوڑ گئی جس نے انہیں عزم و استقلال کی بے پناہ قوت و طاقت سے بہرہ ور کیا۔ غیر مسلم اور یہودی بھی گروہ در گروہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپؐ کی شخصیت، آپؐ کی سیرت، آپؐ کے انداز و اطوار اور آپ کے اقوال و ارشادات کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیں اور آپؐ کے پیرو کاروں کا آپؐ کی ذات اقدس کے ساتھ عقیدتمندانہ اور فداکارانہ تعلق کا مشاہدہ کریں۔

مدینے کے یہودی

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ واقعہ ہجرت کے وقت مدینے میں یہودیوں کے تین قبیلے آباد تھے۔ یہ بنی قینقاع' بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے۔ مدینے اور گرد ونواح کی تجارت اور صنعت و حرفت پر ان کا پوری طرح قبضہ تھا۔ اس لئے ان کی مالی اور اقتصادی حالت مدینے کے دوسرے قبائل کے مقابلے میں بڑی مستحکم تھی۔ دفاعی اور عسکری لحاظ سے بھی انہیں برتری حاصل تھی۔ جنگی سازو سامان کی فراوانی تھی۔ ان کے جوان جنگ جو اور شمشیرزن تھے۔ ان کی بستیاں قلعہ نما گڑھیاں تھیں۔ ان تمام باتوں کے علاوہ وہ اہل کتاب تھے۔ توحید' رسالت' وحی اور آخرت کے تصور سے واقف تھے۔ اسی وجہ سے انہیں علاقے میں علمی تفوق بھی حاصل تھا۔ مدینے کے دوسرے قبائل کے لوگ جو مشرک اور جاہل تھے' زندگی کے معاملات میں رہنمائی کے لئے انہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

سیدؐ المرسلین کا ان کے ساتھ فیاضانہ سلوک

یہودیوں کی مندرجہ بالا خصوصیات کے پیش نظر آپؐ نے ایک بالغ النظر مصلح اور داعی کی حیثیت سے ان کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں خصوصی شفقت و عنایت سے کام لیا اور ان کی عزت افزائی اور ان کے وقار میں اضافہ کے لئے کئی مخلصانہ اقدامات کئے جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

۱۔ جب یہ لوگ آپؐ کی مجلس میں آتے تو آپؐ ان پر خصوصی توجہ مبذول فرماتے' ان کے سوالات کا بڑی نرمی اور ملائمت سے جوابات دیتے اور ان کے شکوک و شبہات رفع کرنے کی پوری کوشش فرماتے۔ مقصد یہی تھا

کہ دوسروں کے مقابلے میں یہ لوگ عقیدے کے لحاظ سے دعوت حق کے زیادہ سے زیادہ قریب ہیں' انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے وارث ہونے کے دعویدار ہیں' اس لئے ان سے توقع ہے کہ وہ آسانی سے دعوت توحید قبول کر کے حق و انصاف پر مبنی فلاح انسانیت کی اس تحریک کے حامی و مددگار بن جائیں گے۔

۲ ۔ مدینے تشریف لانے کے بعد آپؐ نے تقریباً" اٹھارہ ماہ تک انہی کے قبلے یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ آپؐ کا دین اور آپؐ کا مشن وہی ہے جسے سابق انبیاء بھی پیش کرتے رہے ہیں جن کے متبع اور پیروکار ہونے کا انہیں دعویٰ ہے۔

۳ ۔ قرآن مجید نے انہیں بڑے باوقار انداز میں خطاب کیا۔ انہیں بنی اسرائیل یعنی اسرائیل کی اولاد کہہ کر پکارا اور بتایا کہ تمہیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دے کر امامت و قیادت کے منصب پر فائز کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی ان کی تاریخ کے مشہور واقعات کا حوالہ دے کر وضاحت کی گئی کہ تم نے ان خدائی انعامات کی قدر کرنے کی بجائے ناشکری اور نافرمانی کی روش اختیار کی اس لئے تم خدا کے قہر اور غضب کی گرفت میں آ گئے۔ اب تمہیں پھر ایک سنہری موقع ملا ہے۔ اللہ کا آخری نبیؐ حق کی طرف بلا رہا ہے۔ اس لئے تم اس کا ساتھ دو۔ اس طرح تم پھر اپنے سابقہ شرف و اعزاز سے شادکام ہو جاؤ گے۔

۴ ۔ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے خیرخواہ اور دور اندیش مدبر کی حیثیت سے مدینے کے تمام قبائل کو امن و سلامتی کے ایک اجتماعی معاہدے میں شریک کر کے ایک نئی اسلامی فلاحی مملکت کی بنیاد رکھی۔

اس معاہدے میں تمام یہودیوں کو بھی شریک کیا۔ انہیں جان و مال کا تحفظ دیا اور ان کی مذہبی آزادی تسلیم کی۔ اس میثاق کی رو سے رضاکارانہ طور پر انہیں اس امر کا پابند کیا کہ سب آپس میں امن کے ساتھ مل جل کر رہیں گے اور اس نئی ریاست پر بیرونی حملے کی صورت میں سب متحد ہو کر اس کا دفاع کریں گے۔

۵ - یہودیوں کے وہ خاندان اور وہ قبیلے جن کا معاشرتی مرتبہ دوسروں کے مقابلے میں کم سمجھا جاتا تھا انہیں برابر کا مقام دیا۔ مثلاً" بنی نضیر کے مقابلے میں بنی قریظہ کے لوگوں کا معاشرتی درجہ کم تر تھا۔ ان کا کوئی آدمی اگر قتل ہو جاتا تو اس کا خون بہا بنی نضیر کے مقابلے میں نصف تھا۔ آپؐ نے مساوات کے اصول کے تحت ان کا خون بہا بھی دوسروں کے برابر قرار دیا۔

یہودیوں کی سوچ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیاضانہ ' ہمدردانہ اور مشفقانہ سلوک کے مقابلے میں یہودیوں کی سوچ اور ان کا طرز عمل کیا تھا' اس کا اندازہ ذیل کی روایت سے بخوبی ہو جاتا ہے:

سیدہ صفیہ کا باپ حیی بن اخطب اور چچا ابویاسر بن اخطب آپؐ کی آمد کا شہرہ سن کر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اس وقت آپؐ مدینے کی قریبی بستی قباء میں ہی تشریف فرما تھے۔ یہ دونوں بھائی سارا دن آپؐ کے پاس رہے۔ آپؐ سے مختلف سوالات کرتے رہے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپؐ کے سلوک' آپؐ کی حرکات و سکنات کا بغور مشاہدہ کرتے رہے اور آپؐ کے مواعظہ حسنہ کو سنتے رہے۔ شام کو غروبِ آفتاب کے بعد اپنے گھر واپس آئے۔ رات کو تخلیے میں رازدارانہ انداز میں دونوں بھائیوں کے

مابین جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت میں جو درج کیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

چچا۔ "کیا محمدؐ واقعی وہی نبی ہے جس کی خبر ہماری کتابوں میں دی گئی ہے؟"

باپ۔ "خدا کی قسم' یہ وہی نبیؐ ہے۔"

چچا۔ "کیا تمہیں اس کا پورا یقین ہے؟"

باپ۔ "ہاں۔"

چچا۔ "پھر کیا ارادہ ہے؟"

باپ۔ "جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات نہ چلنے دوں گا۔"

ان دونوں بھائیوں کی رازدارانہ بات چیت سننے والی انہی کے گھر کی گیارہ سالہ لڑکی صفیہ تھی۔ اسی نے اپنی قوم کی ذہنیت' اس کی سوچ اور اس کے طرز فکر سے پوری نوع انسانی کو آگاہ کیا۔ آخر کار یہ راز راز نہ رہا خود قرآن مجید نے ہر ذی شعور شخص کے سامنے اس حقیقت کو کھول کر بیان کر دیا جس کی تردید کی کسی بڑے سے بڑے یہودی عالم کو بھی جرات نہ ہوئی اور جو اس طرح ہے:

"اور اب جو ایک کتاب (قرآن) اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے اس کے ساتھ ان کا برتاؤ کیا ہے؟ باوجود اس کے کہ وہ اس کتاب (توراۃ) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی اور باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے' جب وہ چیز آگئی' جسے وہ پہچان بھی گئے' تو انہوں نے اسے ماننے

سے انکار کردیا۔ خدا کی لعنت ان منکرین پر، کیسا برا ذریعہ ہے جس سے یہ اپنے نفس کی تسلی حاصل کرتے ہیں، کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بنا پر انکار کردیا ہے کہ اللہ نے اپنے فضل (نبوت) سے اپنے جس بندے کو چاہا نواز دیا۔ لہٰذا اب یہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہوگئے ہیں۔ اور ایسے کافروں کے لئے، سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔" (سورہ بقرہ آیت ۹۰ - ۹۱)

یہودیوں کے عناد کی وجہ

قرآن مجید کے بیان کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کا عناد اور ان کی مخالفت کی سب سے اہم وجہ ان کا نسلی غرور تھا۔ وہ اپنے آپ کو نوع انسانی میں سب سے افضل اور برتر تصور کرتے تھے۔ ان کے نزدیک بنی اسرائیل ہی خدا کے محبوب اور اس کے انعامات کے مستحق تھے اور ان کے مقابلے میں دوسری نسلیں اور دوسری قومیں فروتر تھیں۔ وہ کسی غیر اسرائیلی کی دینی یا سیاسی امامت و قیادت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اسی نسلی فخر و غرور نے انہیں انسانیت کی جملہ اعلےٰ اقدار اور شرافت و اخلاق کے تمام محاسن سے عاری کردیا تھا۔

ان کے خود ساختہ تصورات کے برعکس اللہ کا آخری نبیؐ توحید و صداقت، عدل و انصاف اور مساوات و رواداری کا درس دے رہا تھا جس میں انہیں اپنے غیر انسانی اور غیر اخلاقی استحصالی نظام کی موت نظر آرہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے رسولؐ کی حیثیت سے پہچاننے کے باوجود آپؐ کے خلاف بغض و حسد کی آگ میں جلے جارہے تھے۔ ان کی ہر بات اور ان کی ہر حرکت سے ان کی یہ قلبی کیفیت چھلکی پڑتی تھی۔ قرآن

نے اس کی منظر کشی اس طرح کی ہے:

" اے ایمان والو، تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کا ولی بغض ان کے منہ سے نکلا پڑتا ہے۔ اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو تو ان سے تعلق رکھنے میں احتیاط برتو گے۔ تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو۔ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی تمہارے رسولؐ اور تمہاری کتاب کو مان لیا ہے مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہ دو اپنے غصے میں آپ جل مرو۔ اللہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔" (سورہ آل عمران آیت ۱۱۸، ۱۱۹)

بدر کی فتح اور ان کے غیظ و غضب کی انتہا

یہودیوں کی معاندانہ روش بدستور جاری تھی لیکن بدر کے میدان میں ۳۱۳ اہل ایمان کی ایک ہزار دشمنان خدا کے مقابلے میں فتح و کامرانی ان کی آتش حسد کو مزید بھڑکانے کا موجب بن گئی۔ بغض و حسد کی اس آگ نے ان کی سمجھ بوجھ اور ان کی ہوشمندی و دانشمندی کی تمام صلاحیتوں کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔ جنوں اور دیوانگی کی حالت میں وہ اوچھے اور کمینے ہتھیاروں پر اتر آئے اور امن و سلامتی اور بقائے باہمی کے معاہدے کی دھجیاں بکھیرنے لگے۔

پہلی عہد شکنی

یہودیوں کے جس قبیلے نے غزوہ بدر ۲ھ کے بعد سب سے پہلے علانیہ عہد شکنی کی وہ قبیلہ بنی قینقاع تھا۔ یہ لوگ شہر مدینہ کے ایک محلے میں آباد تھے۔ چونکہ وہ لوہار، ظروف ساز اور سنار تھے، اس لئے ان کے بازار میں اہل مدینہ کو اکثر جانا پڑتا تھا۔ آہن گر ہونے کی وجہ سے ان کا بچہ بچہ مسلح تھا۔ سات سو مردان جنگی ان کے اندر موجود تھے۔ اور ان کو اس بات کا بھی گھمنڈ تھا کہ قبیلہ خزرج کے ساتھ ان کے حلیفانہ تعلقات ہیں۔

بدر کی فتح سے اس قبیلے کے لوگ اتنے مشتعل ہوئے کہ انہوں نے اپنے بازار میں آنے جانے والے مسلمانوں کو ستانا اور خاص کر ان کی عورتوں کو چھیڑنا شروع کردیا۔ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ ایک روز ان کے بازار میں ایک مسلمان عورت کو سرعام برہنہ کردیا گیا۔ اس پر سخت جھگڑا ہوا۔ ہنگامے میں ایک مسلمان اور ایک یہودی قتل ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سربراہ ریاست کی حیثیت سے ان کے محلے میں تشریف لے گئے اور ان کو جمع کرکے انہیں راہ راست پر آنے کی تلقین فرمائی۔ مگر انہوں نے جواب دیا:

"اے محمدؐ شاید تم نے ہمیں بھی قریش سمجھ لیا ہے۔ وہ لڑنا نہیں جانتے تھے اس لئے تم نے انہیں مار لیا۔ ہم سے سابقہ پیش آئے گا تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ مرد کیسے ہوتے ہیں۔"

یہ گویا ان کی طرف سے معاہدہ امن ختم کرنے اور صریحاً بغاوت کا اعلان تھا۔

بنی قینقاع کا انجام

آخر کار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال اور بعض روایات کے

مطابق ذی قعدہ ۲ھ میں ان کے محلے کا محاصرہ کرلیا۔ محاصرے کی تاب نہ لاکر صرف پندرہ دن میں انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ان کے تمام قابل جنگ آدمی باندھ لئے گئے۔ توراۃ کی ہدایت اور بین الاقوامی مسلمہ روایات کے مطابق وہ اس بات کے مستحق تھے کہ ان کی گردنیں مار دی جائیں۔ لیکن رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رحمت و رافت سے کام لیتے ہوئے حکم صادر فرمایا کہ:

"بنی قینقاع کے لوگ اپنا سب مال، اسلحہ اور آلات صنعت چھوڑ کر مدینے سے نکل جائیں۔"

جلاوطنی کے اس حکم پر وہ شام کے علاقے ذرعات کی طرف چلے گئے۔ یہ سات سو اشخاص تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔

سیدہ صفیہ کے قبیلے کی غداری

نبی قینقاع کا ہولناک انجام مدینے کے باقی یہودیوں کے لئے سبق آموز بھی تھا اور عبرتناک بھی۔ لیکن یہ اپنی بداعمالیوں، کجرویوں اور سرکشیوں کی بدولت قرآن کے الفاظ میں خدا کے غضب کے کچھ اس طرح مستحق ہوگئے تھے کہ اب ان کی اصلاح کی ہر ہمدردانہ کوشش بے اثر ثابت ہو رہی تھی، چنانچہ سیدہ صفیہ کے قبیلہ بنی نضیر نے بھی وہی بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کی۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کے ساتھ ان کے علاقے میں تشریف لے گئے تاکہ خون بہا کی ادائیگی کے سلسلے میں ان سے مشورہ کیا جائے۔ وہاں انہوں نے آپؐ کو چکنی چپڑی باتوں میں لگالیا اور اندر ہی اندر یہ سازش تیار کی کہ ایک شخص اس مکان کی چھت سے آپؐ کے اوپر ایک بھاری پتھر گرادے جس کی دیوار کے سائے میں آپ

تشریف فرما تھے۔ مگر قبل اس کے کہ وہ اپنی اس تدبیر پر عمل کرتے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بروقت خبردار کردیا اور آپ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینے تشریف لے آئے۔

الٹی میٹم

اب بنی نضیر کے یہودیوں کے ساتھ کسی رعایت کا سوال باقی نہ رہا تھا۔ حضورؐ نے بلا تاخیر یہ الٹی میٹم بھیج دیا کہ تم نے جو غداری کرنی چاہی تھی وہ میرے علم میں آگئی ہے لہٰذا دس دن کے اندر اندر مدینے سے نکل جاؤ۔ اس کے بعد اگر تم یہاں ٹھہرے رہے تو جو شخص بھی تمہاری بستی میں پایا جائے گا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔

اس قبیلے نے عہد شکنی کا ارتکاب کچھ اس انداز میں کیا تھا کہ انہیں اس الٹی میٹم کا جواب دینے اور اس میں عائد کردہ الزام کی تردید تک کرنے کی جرات نہ ہوئی' چنانچہ انہوں نے مدینے سے نکل جانے کا فیصلہ کرکے تیاری شروع کردی۔ لیکن رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے انہیں پیغام بھیجا کہ میں دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کروں گا اور یہودیوں کا قبیلہ بنی قریظہ اور عرب کا مشہور جنگ جو قبیلہ بنی غطفان بھی تمہاری مدد کو آئے گا۔ تم ڈٹ جاؤ اور اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑو۔

اس جھوٹے بھروسے پر انہوں نے حضورؐ کے الٹی میٹم کے جواب میں کہلا بھیجا: "ہم یہاں سے نہیں نکلیں گے۔ آپ سے جو کچھ ہوسکے کرلیجئے۔"

اس قبیلے کے غرور کی وجہ

بنی نضیر کا یہ قبیلہ صدیوں سے مدینے میں آباد تھا۔ مدینے کے باہر اس

ساتھ تھی اور اپنے ترنم ریز ترانوں سے ان کا دل بہلا رہی تھی۔ مدینے والوں کا بیان ہے کہ اس شان و شوکت کا قافلہ کبھی ان کی نظر سے نہیں گزرا۔ یہ چھ سو اونٹوں پر سوار تھے۔"

مدینے سے ان جلا وطن ہونے والوں میں اپنے خاندان' اپنے ماں باپ اور اپنے شوہر کے ساتھ سیدہ صفیہ بھی تھیں جن کی عمر اس وقت چودہ سال تھی۔

سیدہ صفیہ کی شادی

تمام مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ سیدہ صفیہ کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی جو ایک مشہور اور نامور شہسوار تھا۔ علامہ ابن سعد نے اپنی کتاب "طبقات" کی ایک روایت میں اس کے نام کے ساتھ قرظی لکھ دیا ہے' یعنی قبیلہ قریظہ سے تعلق رکھنے والا۔ اسی روایت کی بنا پر ہمارے بعض سیرت نگار بھی اسے قرظی لکھ دیتے ہیں۔ حالانکہ تمام مورخین نے قبیلہ بنی نضیر کے ممتاز افراد کی جو فہرست درج کی ہے جو اسلام دشمنی میں اپنی پیش پیش تھے اور جو مدینے سے جلا وطن ہو کر خیبر جا کر آباد ہوئے' اس میں سلام بن مشکم کا نام نہایت نمایاں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قرظی نہیں بلکہ نضری تھا۔

مورخین اس بات کی وضاحت نہیں کرتے کہ سیدہ صفیہ کی یہ شادی مدینے میں ہوئی یا جلا وطنی کے بعد۔ مگر ہمارا قیاس یہ ہے کہ یہ شادی مدینے میں ہی ہوئی۔ اس قیاس کی تائید طالب ہاشمی صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ ان کی شادی چودہ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ سیدہ اس عمر کو مدینے میں ہی پہنچ چکی تھی۔

دوسری بات جو ہمارے قیاس کی ایک حد تک تصدیق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب بنی نضیر کے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چھت سے بھاری پتھر گرانے کا منصوبہ تیار کیا اور اس کام پر اپنے ایک آدمی عمرو بن حجاش کو مامور کیا تو علامہ ابن ہشام کی روایت کے مطابق سلام بن مشکم نے اپنے لوگوں سے کہا تھا:

"ایسا نہ کرو۔ خدا کی قسم، تم نے جو ارادہ کیا ہے اس کی انہیں خبر دے دی جائے گی۔ اور یہ اس عہد کے بھی خلاف ہے جو ہمارے اور ان کے درمیان ہو چکا ہے۔"

سلام بن مشکم رسولؐ خدا کی دشمنی میں نہایت شدید تھا۔ اس کی سابقہ کارروائیاں اور بعد کی ریشہ دوانیاں اس امر کی شاہد ہیں کہ وہ اس عداوت میں اخلاق و شرافت کی ہر حد پھلانگنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس وقت عہد کی پاسداری کا اس کا یہ احساس واقعی حیرت انگیز ہے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ شاید ان دنوں سیدہ صفیہ کی رفاقت نے اس کے مردہ ضمیر کو جھنجوڑنے میں کچھ کردار ادا کیا ہو۔ واللہ اعلم با الصواب۔

سیدہؓ کے قبیلے کی خیبر میں آمد

سیدہ صفیہ کا قبیلہ بنی نضیر مدینے سے نکل کر خیبر پہنچا۔ خیبر مدینے سے آٹھ منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ خیبر عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعے کے ہیں۔ وہ نخلستان جس کے کنارے یہ آباد تھا نہایت زرخیز تھا۔ یہودیوں نے یہاں نہایت مستحکم قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔ انہوں نے قبیلہ بنی نضیر کا والہانہ استقبال کیا اور ان کے سردار حیی بن اخطب کو دل و جان سے اپنا لیڈر اور سردار تسلیم کیا کیونکہ اس کا تعلق خاندان نبوت سے تھا۔ اس قبیلے کے یہاں

آباد ہوجانے کے بعد یہ مقام پورے عرب میں یہودیوں کی قوت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

وہی پرانی روش

بنو نضیر کے وہ سردار جو مدینے سے جلا وطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے تھے انہوں نے ماضی کے حالات سے کچھ سبق لینے کی بجائے اسلام دشمنی کی وہی پرانی روش اپنائے رکھی۔ انہوں نے سیدہ صفیہ کے باپ حیی بن اخطب کی سربراہی میں پورے ملک کا دورہ کر کے قریش ' بنو غطفان' قبیلہ ہذیل اور دوسرے بہت سے قبائل کو اس بات پر آمادہ کیا کہ سب مل کر بڑی جمعیت کے ساتھ مدینے پر ٹوٹ پڑیں۔

جنگی حکمت عملی میں تبدیلی

مسلمانوں کے ہاتھوں اب تک یہودیوں کو جس ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا' اس کے اسباب و عوامل پر غور کرنے کے لئے یہودیوں کے سربر آوردہ قائدین اور فنون حرب کے ماہرین سر جوڑ کر بیٹھے اور پورے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ ان کی ناکامیوں میں ان کی فوجی حکمت عملی کو دخل تھا۔ انہوں نے اب تک دفاعی جنگیں لڑیں جن کی وجہ سے ہزیمت ان کا مقدر بن گئی ۔ اب اسلام اور مسلمانوں کی قوت و طاقت کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آئندہ دفاعی جنگ کی بجائے جارحانہ حربی اقدامات کئے جائیں۔ اپنی نئی حکمت عملی کے تحت انہوں نے عرب کے تمام مخالف اسلام قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر اسلام کے مرکز مدینے پر حملے کا پروگرام بنایا جس میں وہ کامیاب ہوئے۔

مدینے پر یورش

حیی بن اخطب جو مدینے سے نکلتے وقت اہل اسلام کے خلاف ہر قسم کی تحریک میں حصہ نہ لینے کا وعدہ کر کے آیا تھا' اپنی قومی روایات کے مطابق اپنے اس وعدے کو طاق نسیان میں رکھ چکا تھا۔ وہ ہر قبیلے کے پاس گیا اور اسے نئی ابھرنے والی اسلام کی اجتماعی طاقت کے خلاف بھڑکایا۔ چنانچہ اس کی کوششوں سے قبائل کی اتنی بڑی جمعیت مدینے کی اس چھوٹی سی بستی پر ٹوٹ پڑی جو اس سے پہلے عرب میں کبھی جمع نہ ہوئی تھی۔ اس میں شمال کی طرف سے بنی قینقاع اور بنی نضیر کے وہ یہودی آئے جو مدینے سے جلا وطن ہو کر خیبر اور وادی القریٰ میں آباد ہو گئے تھے' مشرق کی طرف سے غطفان کے قبائل نے پیش قدمی کی اور جنوب کی طرف سے قریش اپنے حلیفوں کی ایک بھاری جمعیت لے کر آگے بڑھے۔ مجموعی طور پر ان کی تعداد دس بارہ ہزار تھی۔

اس کے ساتھ ہی دشمنان اسلام کی متحدہ قوت نے مدینے میں آباد یہودیوں کے قبیلہ بنی قریظہ کو غداری پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اس قبیلے کے مسلمانوں کے ساتھ حلیفانہ تعلقات تھے جس کی رو سے مدینے پر حملے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کرنے کا پابند تھا۔

اس قبیلے کو بغاوت و سرکشی اور معاہدہ شکنی پر ابھارنے کے لئے سیدہ صفیہ کا باپ حیی بن اخطب اس کے پاس پہنچا۔ پہلے تو ان لوگوں نے اس کا ساتھ دینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ

"ہمارا محمدؐ سے معاہدہ ہے اور آج تک ہمیں ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

اس پر حیی نے کہا کہ دیکھو۔ میں اس وقت عرب کی متحدہ قوت اس شخص پر چڑھا لایا ہوں۔ یہ اسے ختم کردینے کا نادر موقع ہے۔ اس کو اگر تم نے کھو دیا تو پھر کوئی دوسرا موقع نہ مل سکے گا۔

آخر کار حیی جو اس قبیلے کا داماد بھی تھا اپنے سسرالی قبیلے کو مسلمانوں کے خلاف اس جنگ میں بھرپور حصہ لینے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس کے سرداروں نے حضورؐ کو کہلا بھیجا:

"ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی عہد و پیمان نہیں۔"

اس وقت حیی بن اخطب کی معاندانہ کوشش کے نتیجے میں اللہ کا رسولؐ اور اس کے اہل ایمان جانثار ساتھی کس کربناک، خوفناک اور تشویشناک حالت کے نرغے میں آگئے تھے اس کا ذکر قرآن مجید اس طرح کرتا ہے:

"جب (اللہ کے دشمن) اوپر اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے اور جب خوف کے مارے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں، تمہارے کلیجے منہ کو آگئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس وقت ایمان والے خوب آزمائے گئے اور بری طرح ہلا دیئے گئے۔" (سورہ احزاب آیت ۱۰، ۱۱)

ان خطرناک حالات میں اسلام کے سالار اعظمؐ کی دانشمندی، بیدار مغزی، حکمت عملی اور فراست اور ماہرانہ عسکری قیادت کی بدولت کفر کی اس متحدہ قوت کی طوفانی لہریں اہل ایمان کی عزیمت و استقامت اور ان کی جانثاری اور وفاشعاری کی آہنی چٹانوں سے ٹکرا کر، اپنا سر پھوڑ کر لوٹنے پر مجبور ہوئیں۔ تاریخ اسلام میں یہ واقعہ غزوہ احزاب کے نام سے مشہور ہے۔

سیدہ صفیہؓ کے ننھیالی قبیلے کا عبرتناک انجام

یہودیوں کا قبیلہ بنی قریظہ جس نے نہایت ہولناک حالات میں اپنے

حلیفوں کی کمر میں عقب سے چھرا گھونپنے کی خوفناک سازش تیار کی تھی وہ سیدہ صفیہ کا ننھیالی قبیلہ تھا۔ اب اس کے لئے اپنے منطقی انجام تک پہنچنے کا وقت آگیا تھا۔

کفر کی متحدہ جمعیت کے ناکام و نامراد لوٹ جانے کے بعد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثاروں کے ساتھ اس قبیلے کے علاقے کا محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ سے تنگ آکر انہوں نے اپنے حلیف قبیلہ اوس کے سردار سعدؓ بن معاذ کو ثالث تسلیم کرلیا۔ انہوں نے فیصلہ دیا کہ

"بنی قریظہ کے تمام مرد قتل کردیئے جائیں۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے اور ان کی تمام املاک مسلمانوں میں تقسیم کردی جائیں۔"

ثالث کے اس فیصلے کے بعد جب مسلمان ان کی گڑھیوں میں داخل ہوئے تو انہیں پتہ چلا کہ جنگ احزاب میں حصہ لینے کے لئے ان غداروں نے پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار نیزے اور پندرہ سو ڈھالیں فراہم کی تھیں۔ اگر اللہ کی تائید اور اس کا فضل مسلمانوں کے شامل حال نہ ہوتا تو یہ سارا جنگی سامان عین اس وقت مدینے پر عقب سے حملہ کرنے کے لئے استعمال ہوتا جبکہ مشرکین یکبارگی خندق پار کرکے ٹوٹ پڑنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ اس انکشاف کے بعد تو اس امر میں شک کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی کہ حضرت سعدؓ نے ان لوگوں کے بارے میں جو فیصلہ دیا تھا وہ حق تھا۔

حضرت سعدؓ کے فیصلے کی قرآنی تصدیق

"پھر اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے حملہ آوروں کا ساتھ دیا تھا، اللہ ان کی گڑھیوں سے انہیں اتار لایا اور ان کے دلوں میں اس نے ایسا رعب

ڈالا کہ تم آج ان میں سے ایک گروہ کو قتل کررہے ہو اور دوسرے گروہ کو قید کررہے ہو۔ اس نے تم کو ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے اموال کا وارث بنا دیا اور وہ علاقہ تمہیں دیا جسے تم نے کبھی پامال نہیں کیا تھا۔" (سورہ احزاب آیت ۲۶' ۲۷)

سیدہ صفیہ کے باپ کا عبرتناک انجام

ثالث کے فیصلے کے مطابق بنو قریظہ کے تمام مردوں کی گردنیں مار دی گئیں۔ ان قتل ہونے والوں کی تعداد صحیح بخاری کے مطابق چار سو' علامہ ابن سعد کے نزدیک چھ سو اور سات سو کے درمیان اور علامہ ابن ہشام کی ایک روایت کے مطابق آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھی۔ بغاوت و غداری اور عہد شکنی کے مرتکب ان خطرناک مجرموں میں سیدہ صفیہ کا باپ حیی بن اخطب بھی تھا۔ اسے مقتل میں لایا گیا۔ اس وقت اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے کہا:

"ہاں' خدا کی قسم' مجھے اس کا افسوس نہیں کہ میں نے تیری مخالفت کیوں کی۔ لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کو چھوڑ دیتا ہے تو اللہ بھی اسے چھوڑ دیتا ہے۔"

اس کے بعد اس نے عام لوگوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا "لوگو' خدا کے حکم کی تعمیل میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ ایک حکم الٰہی تھا جو لکھا ہوا تھا۔ یہ ایک سزا تھی جو بنی اسرائیل کے لئے مقدر ہوچکی تھی۔"

اس کے بعد اس کی گردن اڑا دی گئی اور اس طرح وہ اپنے مفسدانہ اور معاندانہ طرز عمل کے انجام کو پہنچ گیا۔

سیدہ صفیہ کی دوسری شادی

پہلے بیان ہوچکا ہے کہ سیدہ کی پہلی شادی ان کے قبیلے کے ایک معزز رئیس سلام بن مشکم سے مدینے میں ہوگئی تھی۔ لیکن دونوں میاں بیوی میں نباہ نہ ہوسکا' اس لئے کچھ عرصہ کے بعد سلام نے سیدہ صفیہ کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد ان کے باپ حیی نے ان کی شادی کنانہ بن ربیع سے کردی۔ کنانہ کا تعلق بھی بنی نضیر سے تھا۔ وہ بھی مدینے سے جلاوطن ہوکر خیبر میں آباد ہوگیا تھا۔ اس کی رہائش یہاں کے مضبوط ترین قلعہ القموص میں تھی۔ اس کا تجارتی کاروبار بڑا وسیع تھا۔ حیی بن اخطب کے قتل کے بعد خیبر کی یہودی ریاست کی سربراہی کنانہ کے چچا ابورافع بن ابی الحقیق کے حصہ میں آئی۔ اس نے حیی کے مشن کو جاری رکھا اور مدینے کی اسلامی ریاست کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی جدوجہد میں اپنی پوری توانائیاں صرف کردیں یہاں تک کہ اپنی جان بھی حق دشمنی کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دی ۔ آخر کار ۶ھ کے آخر میں یہودیوں کی قیادت کی مسند پر سیدہ صفیہ کا شوہر کنانہ بن ربیع متمکن ہوا۔ اس نے اپنے پیشروؤں کی تقلید میں قبیلہ بنی غطفان کو اپنے ساتھ ملا کر مدینے پر چڑھائی کا خوفناک منصوبہ تیار کیا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی مساعی تیز تر کردیں۔ اس طرح خیبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک اہم مرکز بن گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں انٹیلی جنس کے ذریعے ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی پوری تفصیلات پہنچتی رہیں۔ آپؐ نے اس قوم کو راہ راست پر لانے اور جنگ و جدل کی پالیسی کی بجائے امن و سلامتی کی روش اپنانے کی ترغیب دینے کے لئے ان کے پاس سفارتیں بھی بھیجیں اور انہیں خطوط بھی لکھے۔ ایک گرامی نامے کا اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے جسے علامہ ابن

ہشام نے اپنی کتاب سیرت النبیؐ میں نقل کیا ہے:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی اور اس کتاب کی تصدیق کرنے والے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے۔ اے گروہ توراۃ' میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور اس کتاب کی جو اس نے تم پر نازل کی اور اس خدا کی جس نے تمہارے پہلے لوگوں کو من وسلویٰ کھلایا۔ اور اس کی قسم دیتا ہوں جس نے دریا کو خشک کر کے تمہیں فرعون سے نجات دی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اپنی کتاب میں یہ لکھا ہوا پاتے ہو یا نہیں کہ محمدؐ پر ایمان لاؤ۔ اگر تم لکھا ہوا نہیں پاتے تب تم پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔ گمراہی سے ہدایت ظاہر ہوگئی ہے۔ میں تم کو خدا اور اس کے نبیؐ کی طرف بلاتا ہوں۔"

مندرجہ بالا خط کے مندرجات کتنے واضح اور صاف ہیں۔ ان میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔ لفظ لفظ سے داعی کی خیرخواہی اور دلسوزی کی مشام جان کو معطر کردینے والی خوشبو مہک رہی ہے۔ انہیں ایمان و اسلام کی دعوت ان ہی کی کتاب توراۃ کی بنیاد پر دی جارہی ہے۔ ان کے کسی عالم کو یہ جرات نہ ہو سکی کہ وہ مکتوب میں بیان کردہ حقائق کی تردید میں ایک لفظ بھی کہہ سکے۔ مگر اس قوم کے ہاں معاملہ حق کو سمجھنے کا نہ تھا بلکہ اس کے افراد کے دلوں اور ذہنوں پر تو ضد' ہٹ دھرمی' تعصب اور نفس پرستی کی فرمانروائی تھی۔

سیدہ صفیہ کی قلبی اور روحانی کیفیت

خیبر کے یہودی مجموعی طور پر اپنے عناد اور تعصب کی بنا پر ہوش و خرد سے اتنے عاری ہوچکے تھے کہ اب ان کے کان کسی حق بات کو سننے اور ان

کی آنکھیں حق و انصاف کی سہانی نورانیت دیکھنے اور ان کے دل معقول سے معقول بات قبول کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکے تھے۔ لیکن اسی قوم کی ایک بیٹی یعنی سیدہ صفیہ اپنی فطری سعادت کی بناء پر اپنے طبعی رجحان ' اپنی ذہنی سوچ اور اپنی قلبی کیفیت میں ان سے سراسر مختلف تھی۔ گو ان کے لئے اپنے جذبات و احساسات کے اظہار کے مواقع مفقود تھے کیونکہ پورا ماحول ضد و عناد کی ظلمتوں سے پٹا ہوا تھا اور تعصب و نفس پرستی کی عفونت نے اسے اتنا متعفن کردیا تھا کہ اس میں کسی پاکیزہ خیال کی مہک کے مہکنے کی گنجائش کم ہی رہ گئی تھی۔ تاہم سیدہ کی حق پسندی اور حق بینی نے ان کی روح کو اتنا لطیف بنادیا تھا کہ انہوں نے خیبر کے قیام کے دوران جب کہ چاروں طرف اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت کا چرچا عام تھا' دو ایسے خواب دیکھے جو ان کی نفسیاتی کیفیت اور ان کی روحانی بالیدگی کے ترجمان ہیں۔ علامہ ابن سعد نے اپنی کتاب "طبقات" میں مختلف راویوں سے یہ خواب بیان کئے ہیں جنہیں خود سیدہ نے اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہونے کے بعد بتائے تھے۔

پہلے خواب کے متعلق وہ خود بیان کرتی ہیں:

" میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میں اور وہ شخص جسے لوگ اللہ کا رسولؐ کہتے ہیں' ایک ساتھ ہیں۔ ایک فرشتہ ہمیں پروں میں چھپائے ہوئے ہے۔ میں نے اپنے گھر والوں کو یہ خواب سنایا تو انہوں تے مجھے برا بھلا کہا اور سخت لعن طعن کی۔"

اسی طرح سیدہ صفیہ نے ایک اور خواب دیکھا جس کی تفصیل انہوں نے خود اس طرح بیان کی:

"میں نے خواب میں دیکھا کہ یثرب سے ایک چاند طلوع ہوا اور میری گود میں آگرا۔ میں نے یہ خواب اپنے شوہر کنانہ بن ربیع کو سنایا۔ اس نے کہا:" اچھا' تو مدینے کے بادشاہ کی ملکہ بننے کا خواب دیکھ رہی ہے۔" پھر اس نے جذبہ غیرت سے بھڑک کر میرے منہ پر زور کا طمانچہ مارا جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے۔"

فتنہ کی سرکوبی

۶ ھ میں قریش مکہ سے معاہدہ حدیبیہ کی صورت میں مصالحت کی ایک صورت پیدا ہوگئی۔ اس معاہدے کی رو سے فریقین کے مابین دس سال کے لئے' جنگ بندی ہوگئی اور عرب کے ہر قبیلے کو یہ آزادی مل گئی کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہے اپنے حلیفانہ تعلقات قائم کرلے۔ صلح و آشتی کی اس فضا میں اسلام کی اشاعت کے وسیع امکانات پیدا ہوئے۔ اللہ کے رسولؐ نے اس خداداد موقع سے نہایت دانشمندی اور حکمت کے ساتھ پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اب پورے عرب میں اسلام کی مخالفت کا سب سے اہم اور مضبوط مرکز صرف ایک تھا اور وہ تھا یہودیوں کا گڑھ' خیبر۔

جب مصدقہ ذرائع سے اس امر کی تصدیق ہوگئی کہ خیبر کے یہودی اپنے پڑوسی قبیلے بنو غطفان اور دوسرے قبائل کی جمعیت کے ساتھ مدینے پر حملے کے لئے پوری طرح تیار ہیں تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوفناک فتنے کی سرکوبی کا مصمم ارادہ کرلیا۔ آپ اپنے سولہ سو جانبازوں کے ساتھ جن میں دو سو سوار تھے' خیبر کی طرف بڑھے۔ یہودیوں کے ایجنٹ منافقین مدینہ نے اس مہم کی اطلاع خیبر والوں کو پہنچادی لیکن آپؐ نے اپنی قائدانہ عسکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ان کی تمام تدابیر کو ناکام بنا دیا۔ آپؐ نے اسلامی

لشکر کو اتنی تیز رفتاری سے بڑھایا کہ بقول ابن ہشام آٹھ منزلوں کا فاصلہ تین دن میں طے کیا اور "رجیع" کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔ یہ مقام بنو غطفان کے علاقے اور خیبر کے درمیان واقع تھا جس کی وجہ سے بنی غطفان کے لوگ خیبر والوں کی مدد کے لئے اپنے گھروں سے قدم نہ نکال سکے۔ اللہ والوں کا یہ لشکر صبح سویرے جب خیبر میں داخل ہوا تو یہودی اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے اور مقابلے کی خاطر میدان میں آنے کی بجائے قلعہ بند ہو گئے۔

علامہ یعقوبی نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے ان مستحکم اور ناقابل تسخیر قلعوں میں بیس ہزار لڑاکا جوان موجود تھے۔ ہمارے نزدیک یہ تعداد کسی حد تک مبالغہ آمیز ہے۔ علامہ رشید رضا مصری نے ان کی تعداد دس ہزار بتائی ہے جو مبنی بر حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

اسلامی لشکر کی کل تعداد سولہ سو تھی۔ وہ اپنے مرکز سے سو میل سے زیادہ فاصلے پر تھا۔ رسد کی سپلائی کا بھی کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا۔ اس کے مقابلے میں یہودی جنگ جو دس ہزار تھے جو ہر طرح سے مسلح تھے۔ راشن اور سامان حرب کی بہتات تھی۔ حفاظت کے لئے ناقابل عبور چٹانوں کی مانند قلعے موجود تھے۔ لیکن وہ اللہ کے رسولؐ کے خلاف برسرپیکار تھے۔ اس طرح وہ اپنی تباہی اور بربادی کو خود دعوت دے رہے تھے۔ چنانچہ ان کے قلعے' ان کی شجاعت و بہادری' ان کے سازو سامان کی فراوانی اور ان کے لڑاکا افراد کی کثرت ان کے کوئی کام نہ آئی۔ قلعے ایک ایک کر کے ڈھیر ہوتے گئے۔ جنگی سورما اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت علیؓ کو فاتح خیبر ہونے کا لازوال اعزاز حاصل ہوا۔ پندرہ اہل ایمان نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے نخل اسلام کی

آبیاری کی۔ یہودیوں کے ۹۳ اور بعض روایات کے مطابق ۹۷ نامور سورما کھیت رہے۔

سیدہ صفیہ کے خاندان کی تباہی

سیدہ صفیہ کا باپ تو اپنی غداری کے جرم کی پاداش میں اپنے سسرالی قبیلے بنی قریظہ کے مردوں کی ساتھ ہی ۵ ھ میں قتل ہوگیا تھا۔ لیکن اب خیبر کی اس مہم میں ان کا چچا ابویاسر' ان کا شوہر کنانہ' ان کے بھائی اور ان کے خاندان کے اکثر افراد اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

رحمتہ للعالمینؐ کا ابر رحمت

خیبر کے یہودیوں نے جس انداز میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنی کے جذبات سے مغلوب ہوکر زہریلی اور خوفناک حرکتیں کی تھیں اور اسلام و ہدایت کے نور کی شمع فروزاں کو بجھانے کی خاطر اخلاق و شرافت اور تہذیب و انسانیت کی جملہ مسلمہ اقدار کو جس طرح پاؤں تلے روندا تھا' اس بنا پر توراۃ کے احکام کے تحت اس سزا کے مستحق تھے کہ ان کے تمام مردوں کو قتل کردیا جاتا' ان کی عورتوں اور بچوں کو باندی اور غلام بنا لیا جاتا اور ان کی تمام املاک بحق فاتحین ضبط کرلی جاتیں۔ لیکن رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ابر رحمت ان بدبختوں پر بھی خوب برسا۔ آپؐ نے انہیں جان کی امان دی' انہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کا حق بھی دیا اور ساتھ ہی خیبر کی تمام زمین انہیں نصف بٹائی پر دے کر انہیں اپنے مکانوں اور نخلستانوں میں رہنے کی اجازت دے دی۔

سیدہ صفیہ بارگاہ رسالت میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہودیوں کی وہ عورتیں جو گرفتار ہو چکی ہیں ان میں بنی نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی بھی شامل ہے۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ کو انہیں دربار رسالت میں پیش کرنے کا حکم دیا۔ وہ انہیں اور ان کی ایک چچازاد بہن کو اس راستے سے لے کر آئے جہاں یہودی مقتولین کی لاشیں خاک و خون میں لتھڑی پڑی تھیں جن میں سیدہ صفیہ کے چچا' بھائی اور شوہر کی لاشیں بھی تھیں اور خاندان کے دوسرے لوگ بھی کٹے پڑے تھے۔ سیدہ نے ان لاشوں پر حسرت بھری نظرڈالی اور چپ کی چپ رہ گئیں' البتہ ان کی ساتھی بہن بے قابو ہو گئی اور اس نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کی آہ و زاری اور سینہ کوبی سے متاثر ہوئے اور اس کو دوسری طرف لے جانے کا حکم دیا۔ سیدہ صفیہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئیں۔ آپؐ نے بلالؓ سے سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے بلال' کیا تمہارے دل میں رحم نہیں ہے کہ تم ان خواتین کو اس راہ سے لائے جہاں ان کے باپ' بھائی اور عزیز ترین اقربا خون میں لتھڑے پڑے تھے۔"

ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صفیہ کی صورت میں ایک ایسی خاتون تھی جس کا باپ آپ کا سخت ترین دشمن تھا اور جس کے شوہر نے آپ کی دشمنی میں اخلاق و شرافت کی ہر قابل قدر خوبی کو کچل کر رکھ دیا تھا اور جس کے خاندان اور جس کے قبیلے نے آپؐ کو اذیت پہنچانے اور آپؐ کے مشن کا راستہ روکنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ لیکن آپؐ نے اپنی

خداداد نورانی بصیرت اور اپنی پیغمبرانہ بصارت سے پہلی نظر میں ہی اس رئیس زادی کی قلبی و ذہنی کیفیت کا اندازہ فرمالیا اور رحمت و شفقت سے کام لیتے ہوئے فرمایا:

" میں تمہیں آزاد کرتا ہوں اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر تم اسے قبول کرلیتی ہو تو میں تمہیں عزت و احترام سے اپنے پاس رکھ لوں گا۔ اگر تم اپنے آبائی مذہب پر ہی قائم رہنا چاہتی ہو تو تم کو تمہاری قوم میں واپس بھیج دیا جائے گا۔"

رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ شفقت آمیز ارشادات سن کر سیدہ صفیہ کے ذہن کی سکرین پر گذشتہ چھ سال کے واقعات کے تمام مناظر نمایاں ہوگئے۔ ان کے باپ اور چچا نے آپؐ کو اللہ کے آخری نبی کی حیثیت سے پہچان لینے کے باوجود آپؐ کی پرزور اور پرجوش مخالفت و مزاحمت کا جو فیصلہ کیا تھا اس کے دردناک نتائج بنو قینقاع' بنونضیر' بنو قریظہ اور اب خیبر کی تباہی و بربادی کی صورت میں سامنے آچکے تھے۔ اور وہ یہ بھی دیکھ چکی تھیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف لڑائی میں ناقابل تسخیر قلعے' نامور شہسواروں کی مردانگی و بہادری' حربی سازو سامان کی فراوانی اور افرادی قوت کی بہتات ان کی قوم کو ذلت آمیز شکست و ریخت سے نہ بچا سکی۔ چھ سال قبل اپنے باپ اور چچا کی رازدارانہ گفتگو سن کر جو خلش اور چبھن ان کے دل کی گہرائی میں پیدا ہوئی تھی آج اس سے نجات پانے کا قدرت نے موقع مہیا کردیا تھا' اس لئے انہوں نے اپنے قلب و ذہن کی کامل یکسوئی کے ساتھ عرض کی:" یارسول اللہ! میں نے اپنے قلب کو اللہ اور رسولؐ پر ایمان کے نور سے منور کرلیا ہے۔ اب میرا یہودیت اور اس کے علمبرداروں سے کوئی

تعلق نہیں۔"

دوران گفتگو فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" صفیہ' تمہارا باپ تمام یہودیوں میں میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔ اس کی غداریوں کی پاداش میں اللہ نے اسے قتل کردیا۔"

اس کے جواب میں سیدہ صفیہ نے جو ابدی اور لازوال حقیقت بیان کی وہ ان کی ہوشمندی' دانشمندی' بیدار مغزی اور انصاف پسندی کا بین ثبوت ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہودیت کے ماحول میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود وہ خدا کی طرف سے آخری نبیؐ پر نازل ہونے والے کلام کے مضامین سے کافی حد تک باخبر تھیں۔ چنانچہ انہوں نے اسی کلام کا حوالہ دیتے ہوئے کہا:

"یارسول اللہ' خداوند کریم خود اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

"کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔" (سورہ فاطر آیت ۱۸) اس لئے میرے باپ کے اعمال اس کے ساتھ اور میرے اعمال میرے ساتھ۔"

سیدہ صفیہ کا یہ جواب اور اپنی صفائی میں ان کا یہ بیان اتنا وزنی اور مدلل تھا کہ آپؐ نے اس کے ظاہری پہلو ہی کو شرف قبولیت نہ بخشا بلکہ ان کی زبان اور ان کے دل کی ہم آہنگی و یکرنگی کا بھی کھلے دل سے اعتراف کیا۔ چنانچہ محدثین اور سیرت نگار اس امر کی صراحت کرتے ہیں کہ اس کے بعد آپؐ نے پھر کبھی ان کے سامنے ان کے باپ اور ان کے رشتے داروں کی ریشہ دوانیوں اور اخلاق سے گری ہوئی حرکتوں کا ذکر نہیں کیا۔

اس واقعہ کا ایک اور رخ

سیدہ صفیہ کی بارگاہ رسالت میں حاضری کے واقعے کو کچھ محدثین نے جن میں امام ابوداؤد بھی شامل ہیں، حضرت انسؓ کی ایک روایت کے حوالے سے قدرے مختلف انداز میں بھی بیان کیا ہے جو اس طرح ہے:

خیبر کی فتح کے بعد جب گرفتار شدہ قیدی جمع کئے گئے تو حضرت دحیہؓ کلبی نے آپ سے ایک لونڈی عطا کرنے کی درخواست کی۔ اس پر آپؐ نے انہیں اختیار دے دیا کہ وہ جسے چاہیں اپنے لئے پسند کرلیں۔ انہوں نے سیدہ صفیہ کو چن لیا۔ اس پر صحابہ کرام نے آپؐ کی خدمت میں عرض کی:

"یارسول اللہ، آپ نے صفیہ کو دحیہ کلبی کے حوالے کردیا۔ وہ تو بنی نضیر اور بنی قریظہ کی رئیسہ ہے۔ شرافت و نجابت اور عزت و وقار کے آثار اس کے چہرے مہرے اور اس کی ذات و شخصیت سے پوری طرح عیاں ہیں۔ ہمارے آقا اور سردار (آپؐ) کے سوا کوئی اور اس کے لائق نہیں۔"

اپنے ساتھیوں کے اس اصرار پر آپؐ نے حضرت دحیہؓ کو حکم بھیجا کہ وہ صفیہ سمیت حاضر خدمت ہوں۔ وہ حاضر ہوئے۔ آپ نے سیدہ صفیہ کو ان سے واپس لے لیا اور ان کے بدلے کوئی اور لونڈی انہیں عطا فرمادی۔ اس کے بعد آپؐ نے سیدہ صفیہ کو اسلام کی دعوت دی اور وہ گفتگو ہوئی جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔

الغرض سیدہ صفیہؓ کے مشرف باسلام ہوجانے کے بعد آپؐ نے انہیں اپنے لئے مخصوص کرتے ہوئے حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام سلیمؓ کی تحویل میں دے دیا۔

رسی جل گئی مگر بل نہ گیا

خیبر مکمل طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوگیا۔ یہودیوں کی عسکری

عظمت و شوکت خاک میں مل گئی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بے مثل فیاضانہ سلوک کیا اور انہیں ہر قسم کی مراعات دیں مگر یہودیوں کا طرز عمل باغیانہ اور مفسدانہ ہی رہا۔ ذیل کا واقعہ ہمارے اس دعوے کی تصدیق کے لئے کافی ہے:

فتح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز خیبر میں قیام کیا اور امن و امان مکمل طور پر بحال کیا۔ یہودیوں نے آپؐ کو کھانے کی دعوت دی۔ آپؐ ان کی مفسدانہ طبیعتوں سے بخوبی واقف تھے لیکن مروت و احسان کے جذبے کے تحت آپؐ نے یہ دعوت قبول کرلی۔ سیدہ صفیہؓ کے سابق شوہر سلام بن مشکم کی بیوہ زینب نے آپ کے حصے کے گوشت میں زہر ملادیا۔ آپؐ نے پہلا لقمہ منہ میں رکھا اور فوراً تھوک دیا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت بشرؓ بن براء بھی آپؐ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے، انہوں نے ایک بوٹی چبا کر نگل لی۔ آپؐ نے فرمایا "گوشت مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں زہر آلود ہوں۔" زینب کو بلایا گیا۔ اس نے جرم کا اعتراف کیا۔ وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا:

"آپؐ نے میری قوم کا جو حال کیا ہے وہ آپؐ کے سامنے ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر آپؐ ایک عام بادشاہ ہیں تو اس زہر کے ذریعے ہمیں آپؐ سے نجات مل جائے گی۔ اور اگر آپؐ واقعی خدا کے سچے نبی ہیں تب اس زہر کی خبر آپؐ کو خدا کی طرف سے مل جائے گی۔"

آپؐ نے اس مجرم خاتون سے اپنی ذات کی خاطر انتقام نہ لینے کا فیصلہ کرتے ہوئے اسے کچھ نہ کہا۔ لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشرؓ اس زہر کی ہلاکت آفرینی سے جاں بحق ہوگئے تو آپؐ نے ان کے قصاص میں

مجرمہ زینب کو قتل کرادیا۔

خیبر سے روانگی

اسلامی لشکر میں موجود ہر شخص کو یہ تو معلوم ہوچکا تھا کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہؓ کو اپنی ذات کے لئے مختص کرلیا ہے۔ لیکن ان کی حیثیت کے بارے میں ابھی کسی کو کچھ علم نہ تھا۔ آیا انہیں بطور کنیز رکھا جائے گا یا شرف زوجیت سے بہرہ یاب ہوں گی۔

خیبر کے معاملات سے فارغ ہونے کے بعد آپؐ نے مدینے کی طرف روانہ ہونے کا پروگرام بنایا۔ سیدہ صفیہؓ کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ انہیں اونٹ پر سوار کرانے کے لئے آپؐ نے اپنی ران آگے کردی تاکہ وہ اس پر پاؤں رکھ کر اونٹ پر چڑھ جائیں۔ سیدہ صفیہؓ ایک شائستہ' مہذب اور حفظ مراتب کے آداب سے واقف خاتون تھیں۔ وہ کیسے گوارا کرسکتی تھیں کہ اللہ کے معزز و محترم رسول کی مقدس ران پر پاؤں رکھنے کی گستاخی کی مرتکب ہوں' اس لئے انکار کردیا۔ پھر آپؐ کی ہدایت پر اپنا گھٹنا آپؐ کی ران پر رکھ کر اونٹ پر سوار ہوگئیں۔ آپؐ نے انہیں پیچھے بٹھا لیا اور اپنی چادر سے انہیں پردے میں کیا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اس زخم خوردہ اور بے آسرا خاتون کی قسمت کا ستارہ اوج ثریا پر پہنچ گیا ہے اور وہ ام المومنین کے اعزاز و اکرام سے بہرہ ور ہونے والی ہیں۔

نکاح اور رسم عروسی

خیبر سے کئی منزلیں طے کرنے کے بعد "صہبا" کے مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صفیہؓ سے نکاح کیا اور ان کی آزادی ان کا مہر

قرار پایا۔ اس وقت سیدہ صفیہؓ کی عمر سترہ سال تھی۔ اسی مقام پر رسم عروسی منانے کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت ام سلیمؓ نے سیدہ کو دلہن بنایا اور انہیں خوشبوؤں میں بسایا۔ جب سیدہ کے جان سے عزیز مقتدا ان کے خیمے کی طرف تشریف لائے تو آگے بڑھ کر والہانہ انداز میں استقبال کیا۔

موہوم خطرات

سابقہ چھ سالوں میں یہودیوں نے مسلسل اپنے جس کردار کا مظاہرہ کیا تھا اس کی وجہ سے مسلمانوں کے نزدیک یہودیت کا لفظ مکرو فریب اور کینہ و شرارت کا ہم معنی بن چکا تھا۔ وہ اپنے تجربات و مشاہدات کی بناء پر اس امر کا یقین کر چکے تھے کہ یہودیوں کا کوئی شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت ' بچہ ہو یا جوان کسی طرح بھی لائق اعتبار اور قابل اعتماد نہیں۔ سیدہ صفیہؓ کا تعلق بھی یہودی خاندان سے تھا۔ اس وقت وہ ایک ستم رسیدہ خاتون تھیں۔ ان کا باپ ' چچا' بھائی ' شوہر اور دوسرے قریبی رشتے دار حق و باطل کی کشمکش میں ان کے موجودہ شوہر کے جانثاروں کے ہاتھوں قتل و غارت کی زد میں آچکے تھے۔ اسی زخم خوردہ عورت کی طرف سے انتقامی جذبے کے تحت کسی قسم کی خطرناک کارروائی کا ارتکاب خلاف قیاس نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کے وفاشعار ساتھیوں کے دل اس وقت موہوم خطرات کی آماجگاہ بن گئے۔ چنانچہ سیدنا ابوایوب انصاریؓ برہنہ تلوار ہاتھ میں لے کر خیمے کے قریب پہرے پر کھڑے ہوگئے اور ساری رات جاگ کر گزار دی ۔ صبح کو جب حضورؐ نے انہیں خیمے کے پاس دیکھا تو فرمایا " تم یہاں کیسے؟" انہوں نے محبت و عقیدت کے نورانی جذبات سے سرشار ہو کر عرض کیا:

" یا رسول اللہ ' میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ صفیہؓ کے باپ ' چچا

اور شوہر کو آپؐ نے قتل کرادیا۔ اس لئے میں آپؐ کے معاملے میں اس کی طرف سے بے خوف نہ تھا۔ چنانچہ پہرے پر کھڑا ہوگیا کہ اگر اس کی طرف سے کسی قسم کی ناپسندیدہ حرکت کا شبہ ہوتو میں فوراً" آپؐ کی حفاظت کے لئے آپؐ کے پاس پہنچ جاؤں۔"

آپؐ اپنے جانثار رفیق کی بات سن کر مسکرا دیئے اور انہیں دعا دیتے ہوئے تین بار فرمایا "خدایا' جس طرح ابو ایوبؓ نے میری حفاظت کی ہے تو بھی اسی طرح ان کی حفاظت فرما۔"

حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کا اس موقع پر مسکرادینا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ یہودیوں کے عادات و خصائل اور ان کے سابقہ گھناؤنے ریکارڈ کی بناء پر ان کے خاندان کی ایک جواں سال عورت کے متعلق تمہارے شکوک و شبہات اور تمہارے اوہام و خطرات اپنی جگہ بالکل بجا لیکن صفیہؓ ایک ایسی سعید الفطرت خاتون ہے جس کا دل اب اخلاص و للہیت' عشق رسولؐ و حب اسلام اور مہرووفا کے نورانی جذبات و احساسات سے منور ہے اور قدرت نے اپنی خصوصی عنایات سے نواز کر اسے اس ہستی کے حرم میں داخل کردیا ہے جس کے وابستگان کے قلوب و اذہان اور ان کی سیرت و کردار کو مکروفریب' دھوکہ دہی اور منافقت کی آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک رکھنے کا اہتمام کیا ہے۔

باہمی محبت و الفت کا نزول

حضرت انسؓ کی والدہ حضرت ام سلیمؓ نے شب عروسی کی صبح ام المومنین سیدہ صفیہؓ سے دریافت کیا کہ تم نے اللہ کے رسولؐ کو اپنے حق میں کیسا پایا؟ بولیں:"آپؐ مجھ سے بہت خوش تھے۔ آپؐ ساری رات سوئے

نہیں بلکہ مجھ سے باتیں کرتے رہے اور میرے غم زدہ دل کے زخموں کو اپنی رحمت و شفقت کے مرہم سے مندمل کرنے کی کوشش فرماتے رہے۔"

ام المومنین نے یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ جب تم سے "تبار" کے مقام پر رسم عروسی منانے کے لئے کہا گیا تھا تو تم نے انکار کیوں کردیا تھا؟ میں نے وضاحت کرتے ہوئے عرض کیا:

"یا رسول اللہ، وہ مقام خیبر سے کل چھ میل کے فاصلے پر تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ یہودی انتقام کے جذبے سے مغلوب ہو کر آپؐ کو گزند پہنچانے کی کوئی تدبیر نہ کر بیٹھیں۔ اس لئے میں چاہتی تھی کہ میں اور آپؐ جتنی جلد ممکن ہو ان سے دور ہو جائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے جواب سے مسرور ہوئے اور میری خیراندیشی کی تحسین بھی فرمائی۔

ام المومنین سیدہ صفیہؓ نے حضرت ام سلیمؓ کے سامنے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر آنکھ کے قریب سیاہ نشانات دیکھ کر پوچھا "صفیہ یہ کیا ہے؟" اس پر میں نے اپنا وہ خواب سنایا جو میں نے کچھ دن پہلے دیکھا تھا اور جب میں نے وہ اپنے شوہر کو سنایا تھا تو اس نے غیرت کے جوش میں آکر میرے منہ پر ایک زور کا طمانچہ مارا تھا جس کے نشانات اب تک باقی ہیں۔

(اس خواب کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے)

ولیمہ کا اہتمام

نکاح کے اگلے روز "صہبا" کے مقام پر ہی ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کو ولیمے کی دعوت دی۔ یہ ولیمہ بھی اپنی سادگی میں اپنی مثال آپ تھا۔

علامہ ابن سعد نے حضرت انسؓ کی روایت کے حوالے سے اس تقریب کا جو روح پرور منظر بیان کیا ہے' اس کے مطابق آپؐ نے صبح کو اعلان فرمایا کہ جس کے پاس کھانے پینے کی جو بھی چیز ہے وہ ہمارے پاس لے آئے۔ چنانچہ کوئی ستو لایا' کوئی کھجوریں لایا اور کوئی گھی لے آیا۔ پھر لوگوں نے ان چیزوں سے مالیدہ تیار کیا اور سب نے آپؐ کے ساتھ مل کر خوب کھایا پیا۔

منزل مقصود کے قریب

حضرت انسؓ ہی راوی ہیں کہ جب ہم سفر سے مدینے کی طرف لوٹتے تو اپنے محبوب شہر کو قریب دیکھ کر خوشی کے مارے اپنی سواریوں کو تیز دوڑا دیتے تھے۔ خیبر سے واپسی پر بھی ہم نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ام المومنین سیدہ صفیہؓ سوار تھیں۔ میں اپنے سوتیلے باپ ابو طلحہؓ کے اونٹ پر ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ہمارا اونٹ آپؐ کے اونٹ کے بالکل قریب تھا۔ اتفاق سے آپؐ کی سواری کا پاؤں پھسل گیا۔ آپؐ اور ام المومنین دونوں گر گئے۔ حضرت ابو طلحہؓ فوراً" آپؐ کے پاس آئے اور پوچھا" یارسول اللہ' آپؐ کو چوٹ تو نہیں آئی؟" آپؐ نے فرمایا" نہیں' عورت (صفیہؓ) کی خبر لو۔"

ابو طلحہؓ نے اپنے چہرے پر چادر ڈالی اور ام المومنین کے قریب جا کر ان پر چادر ڈال دی۔ وہ کھڑی ہو گئیں اور کہا" مجھے کوئی چوٹ نہیں لگی۔"

پھر آپؐ کے ساتھ ام المومنین اونٹ پر سوار ہو گئیں۔ جب آپؐ مدینے کے قریب پہنچے تو آپؐ کی زبان مبارک پر درج ذیل کلمات جاری تھے:

" ہم اپنے گھر واپس آنے والے' اپنے اللہ سے توبہ مانگنے والے' اس کی عبادت کرنے والے اور اس کی حمد و ثنا بیان کرنے والے ہیں۔"

ان کلمات کی ادائیگی گویا آپؐ کی طرف سے اعلان تھا کہ ان افعال حمیدہ میں اس قافلے کے تمام اہل ایمان کے ساتھ صفیہؓ بھی شامل ہیں۔

مدینے کا پر مسرت منظر

مجاہدین اسلام اپنے سپہ سالار کی قیادت میں خیبر کی فتح پر اپنے مالک حقیقی کی حمد کے ترانے الاپتے ہوئے اپنے دل پسند شہر میں داخل ہوئے۔ مدینے کے باسیوں کے لئے یہ فتح کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ ان لوگوں نے مسلسل چھ سال یہودیوں کے ہاتھوں بے شمار ذہنی ' روحانی اور جسمانی اذیتیں برداشت کی تھیں۔ ان کا مشاہدہ اور تجربہ یہ تھا کہ یہ قوم اخلاقی لحاظ سے پستی کے اتنے گہرے گڑھے میں گر چکی ہے کہ اس کے بچے بچے کے رگ و پے میں دغا اور مکروفریب کا زہر سرایت کرچکا ہے۔ اب اس فتح نے اس قوم کے غرور و نخوت کی بلند و بالا چٹانوں کو پاش پاش کردیا تھا۔ مدینے کی مسلم خواتین کے لئے اس پر مسرت موقع پر اس خبر نے "حیی بن اخطب" کی بیٹی اب ان کے محترم نبیؐ کی زوجہ کی حیثیت سے ان کے پاس آرہی ہے' حیرت و استعجاب کی کیفیت پیدا کردی۔ یہ سترہ سالہ خاتون ان کے لئے اجنبی نہ تھی۔ وہ انہی کے شہر میں پلی اور جوان ہوئی تھی۔ تقریباً" اڑھائی سال پہلے اپنے باپ کی غداری کی وجہ سے اپنے پورے قبیلے کے ساتھ جلا وطن ہوکر خیبر گئی تھی۔ وہ اپنی طبیعت اور اپنے مزاج میں اپنے خاندان اور اپنے قبیلے کی خصوصیات سے قدرے مختلف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی آمد پر مدینے کی عورتیں جوق در جوق ان سے ملنے کے لئے ان کے پاس آئیں۔ ان آنے والیوں میں چار ازواج مطہرات بھی تھیں۔ جب یہ واپس آئیں تو حضورؐ نے سیدہ عائشہؓ سے پوچھا" تم نے صفیہؓ کو کیسا پایا؟" بولیں" ہاں' وہ ایک یہودیہ

ہے۔" اس پر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"عائشہ' ایسا مت کہو وہ صدق دل سے ایمان لائی ہے۔"

عالی ظرفی اور مروت کا مظاہرہ

سیدہ صفیہؓ سے ملاقات کے لئے سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری اور لاڈلی بیٹی سیدہ فاطمتہ الزہراؓ بھی تشریف لائیں۔ ماں بیٹی کی پہلی ملاقات تھی۔ سیدہ صفیہؓ نے اپنے محبوبؐ کی شہزادی کے ساتھ مروت سے بھرپور سلوک کیا' اپنے کانوں سے قیمتی جھمکے اتار کر بیٹی کو دیئے۔

سیدہ موصوفہ کا یہ طرز عمل اور ان کی طرف سے یہ حسن سلوک اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ انہوں نے اللہ کے محبوب ترین رسولؐ کے ساتھ اپنا تعلق اور اپنی نسبت ایمان و اخلاص کی بنیاد پر قائم کی تھی۔ اب ان کی نظر میں یہ رشتہ اور یہ رابطہ سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ قابل احترام تھا۔ اور اس سے اس امر کی بھی نشاندہی ہوتی ہے کہ وہ معاشرتی تعلقات میں ہم آہنگی و یکجہتی' حسن و زیبائی اور دلکشی و رعنائی پیدا کرنے کے آداب سے بخوبی واقف تھیں۔

حرم نبیؐ میں

ام المومنین سیدہ صفیہؓ کی رہائش کے لئے بھی دوسری ازواج مطہرات کی طرح مسجد نبوی کے قریب ہی ایک علیحدہ مکان فراہم کیا گیا جو کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا۔ بادشاہ یہود کی بیٹی جو عالیشان اور پروقار محلات میں رہنے کی عادی تھی۔ وہ مضبوط و مستحکم اور خوش رنگ اور دیدہ زیب عمارتیں اس کے دل اور اس کی روح کو سکون و اطمینان کی دولت مہیا کرنے سے قاصر رہیں لیکن

اب اس مختصر سے کچے حجرے میں قلب و روح کی سکینت و طمانیت کا پورا پورا سامان موجود تھا۔ یہاں قلب و ذہن کی ہم آہنگی و یکرنگی تھی۔ باہمی اخلاص و محبت کی ریل پیل تھی۔ ایک دوسرے کے لئے ہمدردی و خیرخواہی کا دور دورہ تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس ہستی کی رفاقت و معیت حاصل تھی جو اس روئے زمین پر شہنشاہ کائنات کی نمائندہ اور پوری نوع انسانی کے لئے مخزن خیر و برکت تھی۔

تمام محدثین اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ فتح خیبر کے بعد حضورؐ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے لئے اسی وسق کھجور اور بیس وسق جو سالانہ کے حساب سے مقرر فرمادیئے۔ مساوات اور برابری کے اصول کے تحت ام المومنین سیدہ صفیہؓ کے لئے بھی یہی مقدار متعین ہوئی۔ اس سالانہ وظیفے کے خرچ کے سلسلے میں وہ بالکل آزاد اور خود مختار تھیں۔

خانہ داری میں سلیقہ شعاری

سیدہ صفیہؓ نے جس گھر میں آنکھ کھولی تھی' دولت و ثروت اس گھر کی باندی تھی۔ ان کی پرورش نازو نعمت میں ہوئی تھی۔ ان کا گھر سرداروں کا گھرانا تھا' اس لئے سیدہ خانہ داری کے لطیف و دلکش آداب و قواعد پر ماہرانہ دسترس رکھتی تھیں۔ وہ اپنے نامدار سرتاج کی ضیافت طبع کے لئے اپنے ہاتھ سے ان کے دل پسند کھانے تیار کرتیں۔ ان کی اس قابلیت و صلاحیت کا ذکر کرتے ہوئے سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

"عمدہ اور مزیدار کھانا تیار کرنے میں صفیہؓ سے بڑھ کر میں نے کسی اور عورت کو نہیں دیکھا۔"

ایک لطیف نکتہ

ہم ام المومنین سیدہ صفیہؓ کے مزید حالات زندگی بیان کرنے سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس لطیف نکتے کی اختصار کے ساتھ وضاحت کردی جائے کہ سیدہ صفیہؓ کی فطرت' ان کی طبیعت اور ان کی سوچ اپنی قوم کے اجتماعی طرز فکر اور طرز عمل سے کیوں بالکل مختلف تھی؟ نیز جن حالات میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ زوجیت میں منسلک ہوئیں بغض و عناد اور عداوت و دشمنی کی بجائے ان کا دل عقیدت و محبت' اطاعت و وفا اور فدائیت و فنائیت کی نورانیت سے کیوں معمور ہوگیا؟ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے طالب علم کو ان سوالات کا تسلی بخش جواب قرآن ہی سے مل سکتا ہے۔

ازواج مطہرات کا قرآن مجید میں جس انداز سے ذکر کیا گیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ اولوالعزم' بلند ہمت اور وفاشعار خواتین اللہ کے رسولؐ کی رفاقت و زوجیت کے شرف و اعزاز سے شہنشاہ کائنات کی اس سکیم کے تحت مشرف ہوئیں جو بے شمار دینی اور ملی مصلحتوں اور حکمتوں پر مشتمل تھی۔ اور یہ عالی حوصلہ ہستیاں اخلاق و کردار کی ان قابل رشک صفات اور قلب و ذہن کی ان بے مثل صلاحیتوں سے آراستہ و پیراستہ تھیں جو اس تعلق اور اس رشتے کے بلند و بالا تقاضوں کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری تھیں۔ پھر اس قرب کی بدولت انہیں انوار نبوت سے براہ راست فیضیاب ہونے کے مواقع ملے جس نے ان کی شخصیتوں اور سیرتوں کو اتنا مصفی' مزکی اور مجلی بنا دیا کہ مالک حقیقی کی سکیم پوری آن بان سے پایہ تکمیل کو پہنچی۔

اس حقیقت کو قرآن مجید اس طرح بیان کرتا ہے۔

"اے نبی' ہم نے تمہارے لئے حلال کردیں تمہاری وہ بیویاں جن کے

مہر تم نے ادا کئے ہیں (سورہ احزاب آیت ۵۴)

اس آیت میں بظاہر قانونی حلت کا ذکر ہے۔ لیکن سیاق و سباق کی بناء پر اس کے مفہوم میں یہ امر بھی شامل ہے کہ ان خواتین کو ہم نے اس اخلاقی رفعت اور روحانی لطافت سے بھی نواز دیا ہے جو ان کے منصب جلیلہ کے شایان شان ہے۔ آپؐ نے جن برگزیدہ خواتین کو اپنی زوجیت کے لئے پسند کیا ہے وہ ہماری مشیت اور ہماری پسند کے عین مطابق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس رشتہ ازدواج کے فطری انوار و برکات کو آپؐ کے لئے اور آپؐ کے نکاح میں آنے والی خوش بخت خواتین کے لئے عام کر دیا ہے جو یہ ہیں:۔

"اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے ازواج (بیویاں) بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو۔ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں" (سورہ روم آیت ۲۱)

قرآن مجید نے آپؐ کی بیویوں کو آپؐ کی ازواج کہہ کر اس امر کی تصدیق کر دی کہ ازواج مطہرات اپنے فکر و نظر' اپنے قول و عمل اور اپنے اخلاق و کردار میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اسوہ حسنہ سے ایک حد تک مماثل اور مشابہ ہیں کیونکہ ان کے اعمال و افعال اور ان کی عادات و خصائل کی تمام تابندگی و درخشندگی نبوت کے نیر تاباں کی مرہون منت ہے۔ یہ پاکباز' پیکر اخلاص اور باوفا خواتین اللہ کے عظیم نبیؐ کے قلب و روح کی تسکین کا موجب ہیں اور ان کے اپنے نامدار شوہر محترم کے ساتھ تعلقات و روابط باہمی محبت و مودت اور باہمی خیر خواہی و دلسوزی کی غیر متزلزل بنیادوں پر استوار ہیں۔

خالق ارض و سما کی اس سکیم کی اہمیت اور اس کی افادیت و صداقت کا اندازہ ویسے تو تمام ازواج مطہرات کے حالات و واقعات سے ہوجاتا ہے لیکن اس سلسلے میں ام المومنین سیدہ صفیہؓ کا معاملہ اس سکیم کی معجز نمائی کا ایک بین اور ناقابل تردید ثبوت ہے۔ دوسری امہات المومنین مثلاً" سیدہ خدیجہؓ ' سیدہ سودہؓ' سیدہ عائشہؓ ' سیدہ حفصہؓ' سیدہ ام سلمہؓ' سیدہ زینبؓ' سیدہ ام حبیبہؓ اور سیدہ میمونہؓ کا تعلق قبیلہ قریش سے تھا۔ اس طرح آپؐ کے ان کے ساتھ نسبی تعلقات پہلے ہی موجود تھے۔ مزید برآں وہ شرف زوجیت سے پہلے ہی ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوچکی تھیں۔ اور اسی ایمان کے تقاضے کی وجہ سے اللہ کے نبیؐ کی ذات اور شخصیت ان کے نزدیک ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب و محترم قرار پاچکی تھی۔ اس کے برعکس سیدہ صفیہؓ کا تعلق اس قوم سے تھا جس کی رگ رگ میں اسلام دشمنی رچ بس چکی تھی۔ پھر وہ آپؐ کی خدمت میں اس وقت پہنچیں جب آپؐ نے ان کی قوم پر پوری طرح فتح حاصل کرلی تھی۔ ان کے باپ' چچا' بھائی' شوہر اور دوسرے قریب ترین عزیز آپؐ کی فوج کے ہاتھوں کٹ کر خاک و خون میں تڑپ چکے تھے۔ گردش زمانہ نے انہیں حزن و ملال اور بے بسی و بے چارگی کی پیکر بنادیا تھا۔ ذلت و خواری کا یہ انتہائی کربناک عالم تھا کیونکہ وہ اس لمحہ فاتح فوج کے کیمپ میں ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے قید تھیں۔ فاتح فوج اس پوزیشن میں تھی کہ ان کی زندگی کے متعلق جو فیصلہ چاہے کردے لیکن دنیا کی کوئی ایسی طاقت اس کرہ ارض پہ موجود نہ تھی جو ان کے دل کو فاتح فوج اور اس کے سالار اعظم کے خلاف نفرت و حقارت اور عناد و انتقام کے تلاطم خیز جذبات سے پاک کرسکے۔ یہ صرف اور صرف قادر مطلق کی اسی حکیمانہ سکیم

کا اعجاز تھا کہ اس نے ان کے قلب و ذہن کی دنیا کو ان کی قوم پر فتح پانے والی ہستی کی ذات اور شخصیت کے ساتھ عقیدت و احترام ' انسیت و محبت اور جانثاری و جانسپاری کی نورانی کیفیات سے منور کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نکاح کے بعد پورے چار سال کا عرصہ اس انداز میں گزرا کہ ان کی طرف سے ہمیشہ مہرو وفا اور اخلاص و اطاعت کا ہی مظاہرہ ہوا اور دوسری طرف آپؐ نے بھی ان کے ساتھ شفقت و عنایت کا ہی سلوک کیا اور ان کی دلجوئی اور قدر افزائی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس حسن سلوک کا سب سے موثر اور فکر انگیز پہلو یہ تھا کہ آپؐ نے ان کی صدق بیانی اور ان کے دل کی صفائی پر کامل اعتماد کرتے ہوئے ان کی عزت نفس کے نازک آبگینے کو ہلکی سے ہلکی ٹھیس سے بچانے کی پوری پوری کوشش کی ۔ بعد کے واقعات اس حقیقت کی تصدیق کے لئے کافی ہیں۔

دلجوئی اور قدر افزائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنی دوسری ازواج مطہرات سے بے حد محبت فرماتے تھے اسی طرح ام المومنین سیدہ صفیہؓ کے ساتھ بھی آپؐ کا تعلق اور لگاؤ بے حد محبت آمیز تھا۔ انہیں عزیز رکھتے تھے اور ان کی دلجوئی کا پورا پورا خیال فرماتے تھے۔ ایک سفر میں آپؐ کے ساتھ کئی ازواج تھیں۔ ان میں سیدہ صفیہؓ بھی شامل تھیں۔ اتفاق سے راستے میں ان کا اونٹ بیمار ہوگیا جس کی وجہ سے سیدہ سخت ملول اور پریشان ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینبؓ سے کہا کہ وہ اپنا ایک فالتو اونٹ صفیہؓ کو دے دیں۔ ام المومنین سیدہ زینبؓ طبعاً" بہت فیاض ' سخی اور بامروت خاتون تھیں لیکن اس وقت ان کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا:

"یا رسول اللہ، کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں؟"

سیدہ زینبؓ کا یہ انداز کلام تعلیمات الٰہی کے صریح خلاف تھا جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

"اے ایمان والو، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں۔" (سورہ حجرات آیت ۱۱)

اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت برہمی کا اظہار کیا اور سیدہ زینبؓ سے بول چال بند کردی۔ سیدہ عائشہؓ کی روایت کے مطابق جسے علامہ ابن سعد نے اپنی کتاب "طبقات" میں نقل کیا ہے، قطع تعلق کا یہ سلسلہ ذی الحجہ اور محرم کے دو مہینوں پر محیط رہا۔ سیدہ عائشہؓ نے ہی بڑی مشکل سے ان کی خطا معاف کرائی۔ سیدہ زینبؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی کی شدت نے مجھے قریب قریب نا امید کردیا تھا اور میں نے عہد کیا کہ آئندہ ایسی بات نہ کہوں گی۔

عالی حوصلگی

اسلام اور ایمان کی نعمت سے سرفراز ہونے کے بعد سیدہ صفیہؓ کے لئے یہودیت کا طعن سخت قلبی اذیت کا موجب ثابت ہوتا تھا۔ لیکن وہ اس دکھ اور تکلیف کو بڑے صبر وتحمل سے برداشت کرتیں اور کسی کو کبھی سخت اور تلخ جواب نہ دیتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی سیرت اور ان کے اخلاق کی اس خوبی کا پوری طرح علم تھا۔ آپؐ اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کی دلجوئی کی ہر ممکن کوشش فرماتے۔

ایک دفعہ حضورؐ گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ سیدہ صفیہؓ رو رہی ہیں۔ آپؐ نے رونے کی وجہ دریافت کی تو بولیں:

"یارسول اللہ، عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں سب سے افضل ہیں کیونکہ بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ ہم حضورؐ کی قرابت دار بھی ہیں اور تمہارا تعلق قوم یہود سے ہے۔"

حضورؐ نے سیدہ صفیہؓ کا رنج و ملال دور کرنے کے لئے دلجوئی کے انداز میں فرمایا:

"اگر عائشہؓ اور زینبؓ کو خاندان نبوت سے قرابت کی بنا پر فضیلت کا دعویٰ ہے تو تم نے کیوں نہ کہدیا کہ میرے باپ ہارون علیہ السلام، میرے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور میرے شوہر سید الانبیاء محمدؐ ہیں۔"

سیدہ صفیہؓ کی حضورؐ سے والہانہ محبت

جس طرح سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ صفیہؓ کی دلجوئی اور قدرافزائی کا اہتمام فرماتے تھے اسی طرح سیدہ کی والہانہ قلبی محبت کا مرکز بھی آپؐ کی ذات اقدس تھی۔ آپؐ کی ہلکی سی خفگی ان کو بے چین اور آپؐ کی تکلیف ان کو بے قرار کرکے رکھ دیتی تھی۔ اور ان کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ حضورؐ کو ان کے اس اظہار محبت و عقیدت کے اخلاص و صداقت پر مبنی ہونے کا کامل طور پر اعتراف تھا۔

ایک دفعہ کسی وجہ سے آپؐ سیدہ صفیہؓ سے ناراض ہوگئے۔ ان کے لئے اپنے آقا و مولا کی یہ ناراضی ناقابل برداشت تھی۔ اس لئے سیدہ عائشہؓ کے پاس پہنچیں اور بولیں کہ تم جانتی ہو کہ میں اپنی باری کسی قیمت پر کسی کو دینے کے لئے تیار نہیں ہوتی مگر میں تمہیں دیتی ہوں تاہم شرط یہ ہے کہ

حضورؐ کو مجھ سے راضی کردو۔ سیدہ عائشہؓ اس کام کے لئے آمادہ ہوگئیں۔ زعفران میں رنگا ہوا ایک دوپٹہ لیا۔ اس پر ہلکا ہلکا پانی چھڑکا تاکہ اس کی خوشبو کی مہک ماحول کو معطر کردے۔ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"عائشہؓ، آج تم یہاں کیسے؟ یہ تو تمہاری باری کا دن نہیں ہے۔"

سیدہ عائشہؓ نے نہایت ادب سے عرض کی: "یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔" پھر پورا واقعہ سنایا۔ جس پر آپؐ مسکرا دیئے اور سیدہ صفیہؓ سے راضی ہوگئے۔

جب ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آخری بیماری کے دوران سیدہ عائشہؓ کے حجرے میں اقامت گزیں ہوگئے تو تمام ازواج مطہرات آپؐ کی خدمت و عیادت کے لئے وہیں جمع ہوجاتیں۔ ایک دفعہ ایسے ہی موقع پر جب حضورؐ بیماری کی شدت کی وجہ سے بے چین اور بے قرار تھے تو سیدہ صفیہؓ نے بلک کر کہا:

یارسول اللہ، کاش یہ تکلیف آپ کی بجائے مجھے ہوجاتی۔"

اس پر دوسری ازواج مطہرات نے ان کی طرف آنکھیں ماریں جسے آپؐ نے دیکھ لیا اور فرمایا "کلیاں کرو۔" پوچھا "یارسول اللہ، کس وجہ سے؟" فرمایا "صفیہؓ کی طرف آنکھیں مارنے کی وجہ سے۔ خدا کی قسم، یہ بالکل سچ کہہ رہی ہے۔"

حج بیت اللہ کی سعادت

۱۰ھ میں خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کی ادائیگی کا پروگرام بنایا۔ اس سفر میں تمام امہات المومنین آپؐ کے ساتھ شریک ہوئیں۔ اس

طرح ام المومنین سیدہ صفیہؓ بھی خدا کے آخری رسولؐ کی قیادت میں حج و عمرے کی بے کراں سعادت سے بہرہ ور ہوئیں۔ انہوں نے حج کے جملہ مناسک کے متعلق حضورؐ کے ارشادات اور آپؐ کی ہدایات کو پوری طرح اپنے ذہن میں محفوظ کیا تاکہ وہ امت مسلمہ کی خواتین کو پورے شرح صدر کے ساتھ ان کی تعلیم دے سکیں۔

غم و ندوہ کا کوہ گراں ٹوٹ پڑا

ربیع الاول ۱۱ھ میں سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت کے فرائض کی ادائیگی اور بندگان خدا تک ہدایت و فلاح کا آخری خدائی پیغام پہنچانے کے بعد اس دارفانی سے پردہ فرما کر اپنے رفیق حقیقی سے جا ملے۔ یہ سانحہ ارتحال جملہ اہل ایمان، تمام اہل بیت اور ازواج مطہرات کے لئے نہایت دلگداز اور جگرسوز تھا۔ خاص طور پر ام المومنین سیدہ صفیہؓ کے لئے یہ حادثہ نہایت ہی جانکاہ اور کربناک تھا۔ انہوں نے اسے نہایت شدت سے محسوس کیا۔ گو ان کی دینی اور روحانی اولاد لاکھوں کی تعداد میں ان کی بارگاہ میں عقیدت و احترام سے اپنی گردنیں خم کرنے کے لئے موجود تھی لیکن خاندانی اور قبائلی لحاظ سے وہ اس دنیا میں اپنے کو تنہا محسوس کر رہی تھیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دوسری امہات المومنین جب کاشانہ نبوت میں رونق افروز ہوئیں اس وقت ان کے خاندان کفرواسلام کی بنیاد پر بٹے ہوئے تھے۔ مثلاً" سیدہ سودہؓ کے قبیلہ لوی، سیدہ عائشہؓ کے قبلہ تیم، سیدہ حفصہؓ کے قبیلہ عدی، سیدہ ام سلمہؓ کے قبیلہ مخزوم، سیدہ زینبؓ بنت جحش کے قبیلہ اسد بن خزیمہ اور سیدہ ام حبیبہؓ کے قبیلہ بنی امیہ کے افراد دونوں کیمپوں میں موجود تھے۔ لیکن حضورؐ کے وصال کے وقت یہ تمام قبیلے اسلام کے سایہ شفقت

میں آ چکے تھے یہاں تک کہ سیدہ جویریہؓ کا قبیلہ بنو مصطلق بھی اسلام و ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہو چکا تھا لیکن ام المومنین سیدہ صفیہؓ کے قبیلہ بنو نضیر کے بچے کھچے لوگ ابھی تک اسلام کی نورانی نعمت سے محروم اور اپنے آبائی مذہب یہودیت پر قائم تھے۔ اس طرح سیدہ موصوفہ اپنے خونی رشتے داروں کی اخلاقی اور روحانی حمایت و نصرت سے محروم تھیں۔ لیکن ان تمام حوصلہ شکن حالات کے باوجود اللہ کے دین کے ساتھ ان کی وابستگی اور دل بستگی میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔

ام المومنین کی حیثیت سے فرائض کی ادائیگی

حضورؐ کے وصال کے وقت ام المومنین سیدہ صفیہؓ کی عمر ۲۱ اور ۲۲ سال کے درمیان تھی۔ قدرت نے انہیں ذہانت و فطانت اور نکتہ سنجی اور معاملہ فہمی کی صلاحیتیں بڑی فیاضی سے عطا کی تھیں۔ اس لئے انہوں نے اپنی تمام قوتیں اور توانائیاں روحانی بیٹوں اور بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے وقف کردیں۔ مدینے کی عورتیں تو مسائل کی توضیح و تشریح کے سلسلے میں ان کی طرف رجوع کرتی ہی تھیں' باہر سے بھی وفود ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے ہادی و رہنماؐ کی خانگی اور عائلی زندگی کے متعلق ان سے تفصیلی معلومات حاصل کرتے۔ خاص طور پر کوفے کی عورتیں ان کے پاس مسائل دریافت کرنے آتی تھیں۔

ام المومنین سیدہ صفیہؓ نے سنت کا علم امت تک پہنچانے کا خصوصی اہتمام کیا۔ ان سے دس احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک متفق علیہ ہے یعنی امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے اور باقی نو احادیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی بیان کردہ احادیث کی اہمیت اور

جلالت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان سے ان احادیث کو بیان کرنے والوں میں امام زین العابدینؒ' اسحاق بن عبداللہ' یزید بن معتبؒ اور مسلم بن صفوانؒ جیسے جلیل القدر تابعین کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

دل کی فیاضی

دور فاروقی میں ام المومنین سیدہ صفیہؓ کی ایک کنیز نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کرتے ہوئے کہا:

"یا امیرالمومنین' ام المومنین صفیہؓ میں اب بھی یہودیت کی بو پائی جاتی ہے۔ وہ اب بھی ہفتے کے دن کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں سے قلبی تعلق رکھتی ہیں اور انہیں دیتی دلاتی رہتی ہیں۔"

حضرت عمرفاروقؓ صحیح صورت حال معلوم کرنے کی غرض سے بنفس نفیس ام المومنین کے پاس تشریف لے گئے۔ سیدہؓ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"جب سے خدائے عزوجل نے مجھے ہفتے کی جگہ جمعہ عنایت فرمایا ہے تو ہفتے کو اچھا سمجھنے اور اسے دوست رکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں' یہودیوں سے لگاؤ ضرور ہے۔ وہ میرے خونی رشتے دار اور قربت دار ہیں۔ مجھے صلہ رحم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

امیرالمومنین سیدنا حضرت عمرؓ ان کی صاف گوئی سے مطمئن ہوکر واپس آگئے۔

ام المومنین نے باندی سے دریافت کیا کہ تجھے میرے خلاف امیرالمومنین کے پاس شکایت کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا تھا۔ اس نے کہا:"شیطان نے ابھارا تھا۔"

اس پر سیدہ صفیہؓ نے فرمایا:
"جا، میں نے تجھے خدا کی راہ میں آزاد کیا۔"

دل کی دردمندی

ام المومنین سیدہ صفیہؓ اپنے سینے میں ایک ایسا دل رکھتی تھیں جو خیر خواہی و ہمدردی اور سوزوگداز کے پاکیزہ جذبات سے لبریز تھا۔ کسی کو تکلیف اور دکھ میں دیکھ کر ان کا دل بے چین ہوجاتا تھا اور اپنی طرف سے اس امر کی امکانی کوشش فرماتی تھیں کہ مصیبت زدہ کی مدد کی جائے۔ اسی سے انہیں حقیقی مسرت حاصل ہوتی تھی۔

ان کے دل کی دردمندی کا ہی نتیجہ تھا کہ جب ۳۵ھ میں مفسدوں نے خلیفہ سوم سیدنا حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور محاصرے کی شدت یہاں تک بڑھی کہ باہر سے ان کے پاس کھانے پینے کا سامان پہنچانا بھی ناممکن ہوگیا تو ام المومنین سیدہ صفیہؓ اپنے ایک روحانی فرزند اور مملکت اسلامیہ کے سربراہ کی اس بے بسی اور بے کسی پر تڑپ اٹھیں۔ سیدہؓ نے اپنے غلام کنانہ کو ساتھ لیا اور خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمانؓ کے مکان کی طرف روانہ ہوئیں۔

بلوائیوں کے سرغنے اشترنخفی نے غلام کو دیکھ کر پہچان لیا اور آگے بڑھ کر خچر کو مارنا شروع کردیا۔ حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ اس باغی کا مقابلہ ناممکن تھا اس لئے واپس آگئیں اور کھانے پینے کا سامان حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ محصور خلیفہ کے پاس بھیجا۔ طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہؓ نے اپنے اور حضرت عثمانؓ کے گھر کی دیواروں پر لکڑی کا ایک تختہ رکھ کر آنے جانے کا راستہ بنالیا تھا اور اسی راہ سے

انہیں سامان خوردو نوش پہنچاتی رہیں۔

وفات

"طبقات ابن سعد" اور "استیعاب" کی روایات کے مطابق ام المومنین سیدہ صفیہؓ نے رمضان ۵۰ ھ میں وفات پائی۔ یہ حضرت امیر معاویہؓ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۶۰ یا ۶۱ سال کے قریب تھی۔ مدینے کے قبرستان جنت البقیع کو ان کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

ام المومنین نے اپنا ایک ذاتی مکان اپنی زندگی میں ہی راہ خدا میں دے دیا تھا۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے بیان کے مطابق جسے علامہ ابن سعد نے اپنی طبقات میں نقل کیا ہے سیدہ موصوفہ نے اپنے پیچھے ایک لاکھ درہم کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد چھوڑی۔ سیدہ نے ایک تہائی کی اپنے ایک یہودی بھانجے کے حق میں وصیت کی تھی۔ لوگوں نے اس وصیت پر عمل کرنے میں تامل سے کام لیا۔ بات ام المومنین سیدہ عائشہ تک پہنچی تو انہوں نے فرمایا:

"لوگو' اللہ سے ڈرو اور صفیہؓ کی وصیت پوری کرو۔" سیدہ عائشہؓ کے اس ارشاد پر وصیت کی تعمیل کردی گئی۔

باب نمبر۱۱

محبوبؐ رب العالمین کی آخری زوجہ مطہرہ جن کی شخصیت مکے کی فتح اور نجد میں امن و امان کی بحالی کا ذریعہ بنی

ام المومنین سیدہ میمونہؓ بنت حارث

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	مختصر تعارف	۲۰۷
۲	ابتدائی حالات زندگی	۲۰۸
۳	سیدہؓ کی حقیقی بہنیں	۲۰۹
۴	اسلام کی نعمت سے فیض یابی	۲۱۱
۵	عمرہ قضاء	۲۱۱
۶	انقلاب آفرین منظر	۲۱۳
۷	مکے میں قیام	۲۱۴
۸	سیدہؓ کا سید المرسلینؐ سے نکاح	۲۱۵
۹	نکاح کے وقت سیدہؓ کی عمر	۲۱۶
۱۰	کیا یہ نکاح حالت احرام میں ہوا؟	۲۱۶
۱۱	شادی کے تاریخ ساز اثرات	۲۱۹
۱۲	مکے میں کیا ہوتا ہے؟	۲۲۴
۱۳	رد عمل کا ایک اور رخ	۲۲۵
۱۴	نجد کے علاقے میں اس شادی کے اثرات	۲۲۷
۱۵	کاشانہ نبوت میں	۲۲۸
۱۶	سیرت و کردار کا خصوصی جوہر	۲۲۹
۱۷	تعلیم و تربیت کا اہم کام	۲۳۱
۱۸	دنیا سے بے رغبتی	۲۳۷
۱۹	وفات	۲۳۸

"خداوند کریم بگاڑ کو پسند نہیں کرتا۔"

انار کے چند دانے زمین پر بکھرے ہوئے دیکھ کر تڑپ جانے والی اور بندگان خدا کو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں اور اس کے عطا کردہ انواع و اقسام کے رزق کی ناقدری پر متنبہ کرنے والی شخصیت اہل ایمان کی قابل صد احترام روحانی ماں سیدہ میمونہؓ تھیں جنھوں نے اپنی روحانی اولاد کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ شکر کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اپنے حقیقی مالک کی دی ہوئی نعمتوں کا استعمال پوری احتیاط اور ذمے داری سے کیا جائے۔ بے پروائی اور بے اعتنائی سے ان کا ضیاع عطا کرنے والے کی نگاہ میں ناپسندیدہ اور غیر مستحسن ہے۔ اور جب انعامات الٰہی کی ناقدری اور بلامقصد ان کی بربادی کسی معاشرے میں عام ہوجاتی ہے تو وہ معاشرہ خیرو برکت کی رعنائیوں اور زیبائیوں سے محروم ہوکر بے شمار روحانی و اخلاقی رذائل اور لاتعداد معاشی اور معاشرتی ناہمواریوں کے بحرانوں کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کی شفیق اور ہمدرد ماں نے جب انار کے چند دانے زمین پر بکھرے ہوئے دیکھے تو فوراً" اس بیماری کی نشاندہی کردی جو بعد میں بڑھ کر اور ناقابل علاج ہو کر جان لیوا ثابت ہوجاتی ہے۔

سیدہ میمونہؓ کو محبوب رب العلمین کی آخری بیوی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حضورؐ سے ان کی یہ شادی خدا کے دین حق کے غلبہ و استیلاء اور کفرو شرک کے سب سے بڑے گڑھ اور مرکز کے سرنگوں ہونے کا موجب ثابت ہوئی۔ اللہ کے پیارے رسولؐ کے ساتھ والہانہ اور عاشقانہ لگاؤ کا انہیں یہ ثمرہ ملا کہ زمین کے جس حصے پر انہیں سب سے پہلے بارگاہ نبوی میں باریابی کی سعادت بے کراں حاصل ہوئی تھی زمین کے اسی ٹکڑے کو ان کی آخری اور ابدی آرام گاہ ہونے کا لازوال شرف بھی حاصل ہوا۔

ابتدائی حالات زندگی

سیدہ میمونہؓ کا اصل نام "برہ" تھا۔ والد کا نام "حارث" اور والدہ کا نام "ہند" تھا۔ سیدہ کا تعلق قبیلہ بنی قیس بن عیلان سے تھا۔ مورخین نے ان کا شجرہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

میمونہؓ بنت حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن قنیفہ بن قیس بن عیلان۔

سیدہؓ کے ابتدائی حالات کے متعلق سیرت اور تاریخ کی کتابیں خاموش ہیں۔ تاہم علامہ ابن ہشام اور علامہ ابن سعد نے اپنی کتابوں میں مختلف روایتیں درج کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پہلی شادی دور جاہلیت میں مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد مسعود نے طلاق دے دی اور اس سے ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اس کے بعد ان کی شادی قبیلہ بنی عامر بن لوی کے ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوئی۔ ابورہم مشہور صحابی رسول ابو سبرہؓ کے والد تھے جنہوں نے ہجرت

حبشہ اور ہجرت مدینہ کی سعادت حاصل کی۔

سیدہؓ کی حقیقی بہنیں

سیدہ میمونہؓ کی چار حقیقی بہنیں تھیں جن کی شادیاں بااثر اور معزز خاندانوں میں ہوئی تھیں۔ اس سے سیدہؓ کی خاندانی وجاہت اور ان کے اثر و رسوخ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان بہنوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ لبابتہ الکبریٰ ام الفضل، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کے نکاح میں تھیں۔ مشہور مفسر قرآن حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ انہی کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت عباسؓ قبیلہ بنی ہاشم کے ایک معزز رئیس اور کامیاب تاجر تھے۔

۲۔ لبابتہ الصغریٰ۔ یہ قریش کے مایہ ناز اور نامور فوجی جرنیل خالدؓ بن ولید کی والدہ تھیں۔ خالد بن ولید کا تعلق مشہور قبیلہ بنی مخزوم سے تھا۔

۳۔ عصماء۔ یہ قریش کے مشہور سردار ابی بن خلف کے نکاح میں تھیں جو غزوہ احد میں حضورؐ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

۴۔ حفیدہ۔ یہ عبداللہ بن مالک ہلالی کے نکاح میں تھیں۔

ماں شریک بہنیں

مذکورہ بالا چار حقیقی بہنوں کے علاوہ سیدہ میمونہؓ کی ماں شریک چار بہنیں اور تھیں جنہیں اسلام کے نامور غازیوں اور جانثاروں کی زوجیت کا اعزاز حاصل ہوا۔ اس طرح اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد میں ان کا نمایاں حصہ ہے۔ ان کے نام مع مختصر تعارف ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ اسماء بنت عمیس۔ ان کی پہلی شادی حضورؐ کے چچا زاد بھائی حضرت

جعفرؓ بن ابی طالب سے ہوئی جن سے عبداللہ' محمد اور عون پیدا ہوئے۔ جنگ موتہ میں حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے نکاح کیا جن سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ سیدنا ابوبکرؓ کی وفات کے بعد وہ حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں اور یحییٰ پیدا ہوئے۔

۲ ۔ سلمیٰؓ بنت عمیس ۔ ان کی پہلی شادی حضورؐ کے محبوب چچا اور رضاعی بھائی حضرت حمزہؓ سے ہوئی۔ ان سے امت اللہ پیدا ہوئیں۔ غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ کے خلعت شہادت سے سرفراز ہوجانے کے بعد سیدہ سلمیٰؓ سے شداد بن اسامتہ الہادی نے نکاح کیا جن سے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔

۳ ۔ سلامتہؓ بنت عمیس ۔ ان کی شادی عبداللہ بن کعب سے ہوئی۔

۴ ۔ زینبؓ بنت خزیمہ ۔ ان کی پہلی شادی طفیل بن حارث بن مطلب سے ہوئی تھی۔ ان سے طلاق مل گئی۔ اس کے بعد ان کی شادی حضرت عبیدہؓ بن حارث بن مطلب سے ہوئی جنہوں نے اسلام کی حمایت میں غزوہ بدر میں شرکت کی اور داد شجاعت دیتے ہوئے اپنے محبوب آقاؐ کے مشن پر اپنی جان نچھاور کردی۔ ان کی شہادت کے بعد سیدہ زینبؓ حضورؐ کے پھوپھا زاد بھائی حضرت عبداللہؓ بن جحش کی زوجیت میں آئیں۔ وہ بھی غزوہ احد میں اس بے جگری سے لڑے کہ اپنی جان قربان کرکے اس عہد کی تصدیق کردی جو کلمہ شہادت پڑھ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ باندھا تھا۔ اس کے بعد سیدہ زینبؓ کو ام المومنین بننے کا لازوال شرف و اعزاز حاصل ہوا۔

ہم نے سیدہ میمونہ کی بہنوں کا اجمالی تعارف اس لئے کرایا ہے تاکہ اس امر کا قدرے اندازہ ہوجائے کہ ان کے قریش کے مختلف خاندانوں سے

کتنے گہرے اور پائیدار روابط قائم تھے کیونکہ اس دور میں کسی شخصیت کی اہمیت کا دارومدار تعلقات کی اسی وسعت پر تھا۔

اسلام کی نعمت سے فیض یابی

ارباب سیر اور مورخین کم ہی اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ سیدہ میمونہؓ ایمان و اسلام کی نورانی نعمت سے کب بہرہ ور ہوئیں لیکن ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری نے اپنی کتاب "سیرۃ الرسولؐ" میں وضاحت کی ہے کہ وہ عمرۃ القضاء کے موقع پر اہل اسلام کی شوکت و حشمت، ان کے بے مثل نظم و ضبط اور ان کے قابل رشک پاکیزہ اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہوئیں۔

عمرہ قضا کا واقعہ جہاں اسلامی تحریک کی تاریخ میں ایک اہم اور موثر واقعہ ثابت ہوا، وہیں اس نے کفار قریش کی مزاحمتی جدوجہد کی طوفانی شدت کو بھی بے جان کر کے رکھ دیا۔

عمرہ قضاء

ذی قعدہ ۶ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چودہ سو وفاشعار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینے سے عمرے اور بیت اللہ کی زیارت کے ارادے سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن قریش نے عرب کی مسلمہ روایات کو پس پشت ڈالتے ہوئے صرف اپنی ضد اور اپنی انانیت سے مغلوب ہو کر آپؐ کا راستہ روکنے کی کوشش کی تھی۔ آخر کار بڑی تگ و دو اور بحث و مباحثے کے بعد فریقین میں ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے مسلمان اس سال عمرہ ادا کیے بغیر واپس آ گئے۔ اسی معاہدے کے مطابق اگلے سال ذی قعدہ ۷ ھ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں سمیت مکے کی جانب روانہ ہوئے۔ مقصد صرف عمرے کی ادائیگی اور اللہ کے محترم گھر کی زیارت سے فیض یاب ہونا تھا۔ مگر آپؐ نے قریش کی غداری کے خطرے کے پیش نظر اپنے ساتھ فوجی سازو سامان بھی لے لیا' تاہم اسے مکے سے دس میل دور ہی وادی یاجج میں سو افراد پر مشتمل ایک مسلح دستے کی تحویل میں چھوڑ دیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار لبیک اللھم لبیک کی قلب و روح کو مسحور کردینے والی صدائیں بلند کرتے ہوئے بیت اللہ کی طرف رواں دواں ہوئے۔ اس وقت آپؐ کے جلو میں عورتوں اور بچوں کے علاوہ دو ہزار مردان وفا کا قافلہ تھا جسے اللہ کے قدیم ترین گھر کی زیارت اور اس کے گرد فداکارانہ طواف کا جذبہ شوق کشاں کشاں لئے جارہا تھا۔ مہاجرین میں سے ہر شخص اپنے منشاء و مولداور اس مقام کو دیکھنے کی تمنا دل میں لئے ہوا تھا جہاں اس نے بچپن گزار کر عالم شباب میں قدم رکھا تھا۔ اسے اپنے چھوڑے ہوئے دوستوں سے ملاقات اور اپنے آبائی وطن کی فضا میں کچھ وقت گزارنے کی حسرت ستا رہی تھی۔ وہ اس بابرکت اور مقدس سرزمین کی خاک احتراماً" اپنی جبین سے ملنے کے لئے تیار تھا جس کی آغوش میں ان کے محبوب ترین مقتدااور رہنماؐ نے آنکھیں کھولی تھیں اور جسے سب سے پہلے مقام نزول وحی ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

قریش شہر سے باہر نکل جاتے ہیں

قریش مکہ کو جب سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے فداکاروں کی آمد کی خبر ملی تو وہ معاہدہ حدیبیہ کے مطابق شہر خالی کر کے باہر نکل گئے اور انہوں نے شہر کے قریب چاروں طرف ٹیلوں اور اور اونچی جگہوں پر اپنے

خیمے نصب کر لئے۔

انقلاب آفریں منظر

قریش کے مغرور اور خود پسند سرداروں نے کھلی آنکھوں دیکھا کہ کل جس شخص کو انہوں نے اس شہر سے دیس نکالا دیا تھا وہ آج اپنے نورانی چہروں والے ساتھیوں کے ساتھ اس "ام القریٰ" میں داخل ہو رہا ہے اور کوئی راستہ روکنے والا نہیں۔ اہل عشق کا یہ پاکباز قافلہ اس شہر میں شمال کی جانب سے داخل ہوا۔ ہر ایک کی زبان پر خدا کی حمد و ثنا' اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت و کبریائی کے پر جوش اور پر خلوص ترانے تھے جس سے پوری فضا گونج اٹھی۔

اس کے بعد اہل ایمان نے اپنے ہادی و رہنما کی قیادت میں مسجد حرام میں داخل ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ وہ اپنے رب کے انعامات اور اس کی نوازشات پر سراپا شکر و امتنان بنے ہوئے تھے۔ اس تشکر اور احسان شناسی کی کیفیت نے ان میں ایک نیا جوش اور نیا ولولہ پیدا کر دیا تھا جس سے ان کے قلب و روح اور ان کے جسموں میں قوت اور توانائی کی ایک ناقابل تسخیر لہر دوڑ گئی تھی جس کے آثار ان کے چہروں' ان کے طرز رفتار اور ان کی حرکات و سکنات سے نمایاں تھے۔ یہ منظر اتنا اثر انگیز تھا جس نے انتہائی سنگدل مشرکین اور اسلام کے متعصب ترین دشمنوں کو بھی اسلام کی حقانیت و صداقت کا قائل کر دیا۔ اہل مکہ کی آنکھیں یہ نظارہ دیکھ رہی تھیں اور لبیک اور اللھم لبیک کے نعرے جو زبانوں ہی سے نہیں بلکہ دل کی گہرائیوں سے بلند ہو رہے تھے ان کے کانوں سے گزر کر قلب و ذہن کی خلوت سراؤں میں گونج رہے تھے۔

طواف سے فراغت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دو ہزار باایمان اور بااخلاق ساتھیوں کو لے کر مروہ اور صفا کے قریب تشریف لے گئے اور وہاں سب کے ساتھ سعی کی۔ سعی کے مراسم ادا کر کے مروہ پہاڑ کے قریب قربانی کے جانوروں کو اللہ کے نام پر قربان کیا۔ اس کے بعد حجامت بنوائی اور احرام کھول دیا۔

مکے میں قیام

معاہدے کے مطابق مسلمان مکے میں تین دن قیام کر سکتے تھے چنانچہ حضورؐ اور صحابہ کرامؓ پورے تین دن اس محترم شہر میں قیام پذیر رہے۔ ان دنوں مسلمان پوری طرح آزاد تھے' جہاں چاہتے چلے جاتے اور جس سے ملنا چاہتے مل لیتے تھے۔ اس میل جول سے مکہ کے مشرکین کو مسلمانوں کی پاکیزہ عادات و خصائل ' ان کی باہمی مودت و الفت' باہمی خیر خواہی و دلسوزی اور اپنے ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کی والہانہ اور وفاشعارانہ انقیاد و اطاعت کے دلنواز اور اثر انگیز مناظر دیکھنے کے مواقع ملے۔ نیز انہوں نے حضورؐ کی اپنے ساتھیوں پر بے پناہ شفقت و رافت کے روح پرور مظاہر بھی مشاہدہ کیے۔ ان مسلمانوں میں ان کے وہ ساتھی بھی شامل تھے جو اسلام کی عہد ساز تحریک سے وابستہ ہونے سے پہلے ہر قسم کی نازیبا اور ناپسندیدہ حرکات کے مرتکب ہوتے تھے۔ لیکن اب ان کی زندگیوں میں ایسا انقلاب آچکا تھا کہ وہ صدق و صفا کے پیکر بنے ہوئے تھے اور اخلاق فاضلہ کی جملہ خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب ان کی آنکھوں کے سامنے خدا کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی عملی برکات اور اس کے نظر آنے والے فیوض آفتاب عالمتاب کی ضیاء پاشیوں کی طرح کھل کر سامنے آچکے تھے۔

سیدہ میمونہؓ کا سیدؐ المرسلین سے نکاح

سیدہ میمونہؓ کے شوہر ابو رہم بن عبدالعزیٰ کا اسی سال کے شروع میں انتقال ہوگیا تھا۔ اب سیدہ بیوہ تھیں۔ ان کی دیکھ بھال اور ان کے نکاح اور شادی کے معاملات حضرت عباسؓ کی اہلیہ ام الفضلؓ کے ہاتھ میں تھے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے کی ادائیگی کے لئے مکے تشریف لائے تو حضرت عباسؓ نے آپؐ سے سیدہ میمونہ کے قبول اسلام کی پوری تفصیل بیان کی۔ نیز اس امر کی ترغیب دی کہ آپؐ انہیں اپنی زوجیت میں لے لیں۔ آپؐ نے اپنے چچا کی تجویز سے اتفاق کیا۔ اور سیدنا عباسؓ نے چار سو درہم مہر پر سیدہ کا نکاح آپؐ سے کردیا۔ حضورؐ نے سیدہ کا پرانا نام برہ بدل کر میمونہؓ رکھ دیا۔ پھر تاریخ اسلام میں وہ اسی نام سے مشہور ہوئیں۔

اس نکاح کے متعلق ایک اور روایت

امام مالک نے موطا میں اور علامہ ابن سعد نے "طبقات" میں اس نکاح کے متعلق حضرت سلیمان بن یسارؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے مطابق حضورؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام ابو رافعؓ اور حضرت اوسؓ بن الخولی انصاری کو اپنا وکیل بنا کر اپنے چچا حضرت عباسؓ کے پاس مکے بھیجا تاکہ وہ سیدہ میمونہؓ کا نکاح آپؐ سے کردیں۔ اس پر حضرت عباس نے ماہ محرم ۷ ھ میں چار سو درہم مہر کے عوض یہ نکاح کردیا۔ جبکہ حضورؐ ابھی مدینہ منورہ میں ہی تشریف فرما تھے۔

اسی روایت کی بنا پر بعض سیرت نگار نکاح کی اس تقریب کا مہینہ محرم ہی بیان کرتے ہیں۔ لیکن اکثر ثقہ مورخین اس روایت کی صحت کو تسلیم نہ

کرتے ہوئے واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ یہ نکاح عمرہ قضا کے موقع پر ہوا اس لئے یہ تقریب محرم میں نہیں بلکہ ذی قعدہ ۷ ھ میں منعقد ہوئی۔

نکاح کے وقت سیدہؓ کی عمر

عام مورخین سیدہ میمونہؓ کی عمر کے متعلق کچھ بیان نہیں کرتے البتہ طبقات ابن سعد کی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ سیدہ کا انتقال ۶۱ ھ میں ہوا جبکہ ان کی عمر ۸۱ سال تھی۔ اگر اس روایت کو درست مان لیا جائے تو سیدہ موصوفہ کی عمر اس شادی کے وقت تقریباً" ۲۷ (ستائیس) سال بنتی ہے۔ مگر کچھ مورخین ان کی عمر کافی زیادہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً" مشہور مورخ "اریر فنج" نے اپنی کتاب "حیات محمدؐ" میں اس شادی کے وقت سیدہؓ کی عمر ۵۱ (اکیاون) سال درج کی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کیا یہ نکاح احرام کی حالت میں ہوا؟

سیدہ میمونہؓ کے اس نکاح کے متعلق مورخین کے مابین شروع سے ہی اختلاف چلا آرہا ہے کہ آیا یہ نکاح حضورؐ نے حالت احرام میں کیا تھا یا احرام سے نکل آنے کے بعد۔ اس معاملے میں سیدہ کے بھانجے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں درج کی ہے جن میں وہ فرماتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ سے نکاح احرام کی حالت میں کیا۔"

حضرت ابن عباس کی اسی روایت کی بناء پر علامہ ابن ہشام نے موقف اختیار کیا ہے کہ یہ نکاح احرام کی حالت میں ہوا تھا۔ اس کے برعکس امام

مسلم نے صحیح مسلم میں ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے:" بحالت احرام نکاح کرنا حرام اور نکاح کا پیغام دینا مکروہ ہے۔"

اس باب کے تحت کئی روایتیں درج ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے صرف دو روایتیں نقل کرتے ہیں:

۱۔ حضرت عثمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"محرم (احرام کی حالت میں) نہ اپنا نکاح کرے اور نہ کسی دوسرے کا نکاح کرے۔"

۲۔ سیدہ میمونہؓ کے بھانجے یزید بن اصمؒ راوی ہیں کہ ام المومنین سیدہ میمونہؓ نے فرمایا:" کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اس حالت میں نکاح کیا کہ آپؐ احرام میں نہیں تھے۔"

امیرالمومنین عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں جب اس مسئلہ پر بحث و تکرار ہوئی تو خلیفہ وقت نے جزیرہ کے گورنر میمون کو لکھا کہ وہ یزید بن اصمؒ سے دریافت کرکے لکھیں کہ یہ نکاح کس حالت میں ہوا تھا۔ انہوں نے بتایا:"حلت کی حالت میں نکاح ہوا۔ اسی حالت میں رخصتی ہوئی۔ اور اسی حلت (بغیراحرام) کی حالت میں " سرف" کے مقام پر رسم عروسی ادا کی گئی۔"

اسی طرح رئیس التابعین حضرت سعید بن مسیبؒ کے سامنے کسی نے ذکر کیا کہ عکرمہ کا خیال ہے کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہؓ سے نکاح احرام کی حالت میں کیا تھا۔ حضرت سعید نے کہا کہ وہ خبیث جھوٹا ہے۔ اسے جاکر ڈانٹو۔ میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کی حالت میں مکے میں داخل ہوئے اور احرام کھولنے

کے بعد نکاح کیا۔"

حضرت سعید بن مسیبؓ کا خیال ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو وہم ہوا ہے جو وہ اس نکاح کے انعقاد کو احرام کی حالت میں بتاتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ حلت کی حالت میں نکاح کے بارے میں روایت متواتر ہے اس لئے وہی معتبر اور قابل اعتماد ہے۔ یزید بن اصمؓ، ابورافعؓ اور سعید بن مسیبؓ کی متواتر روایات کی تصدیق واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے:

محدثین نے عمرہ قضا کے موقع پر حضورؐ اور آپؐ کے ساتھیوں کی مناسک کی ادائیگی کے سلسلے میں تمام اعمال و افعال کی تفصیلات مع جزئیات بیان کی ہیں۔ ان کے مطابق آپؐ مکے میں داخل ہو کر طواف اور سعی میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد جانور ذبح کئے اور حجامت بنوائی اور احرام سے نکل آئے۔ اس طرح آپ مکے میں صرف ایک دن شام تک احرام کی حالت میں رہے اور یہ وقت مسلسل عمل اور تگ و دو میں اس طرح گزرا کہ اس کے دوران اس امر کا قطعا" کوئی امکان نہیں کہ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپؐ سے سیدہ میمونہؓ کے حالات تفصیل سے بیان کئے ہوں، آپؐ کو ان سے نکاح کی ترغیب دی ہو اور پھر آپؐ نے اپنی رضامندی ظاہر کر کے نکاح بھی کر لیا ہو جب کہ آپؐ نے مزید دو دن اور مکے میں قیام کرنا تھا۔

خیال یہی ہے کہ احرام کھولنے کے بعد اسی دن یا اس سے اگلے روز حضرت عباسؓ نے اس معاملے میں آپؐ سے بات چیت کی۔ آپؐ نے اپنے چچا کی تجویز قبول کرتے ہوئے اپنے قیام کے آخری دن یہ نکاح کیا۔ اس خیال کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ آپؐ اس نکاح کے بعد رسم عروسی

اور ولیمہ کی تقریب مکے میں ہی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن قریش کے سردار آپؐ کو قیام کی مزید مہلت دینے کے لئے تیار نہ ہوئے اس لئے آپؐ حسب معاہدہ چوتھے دن علی الصبح وہاں سے روانہ ہوگئے اور مکے سے دس میل دور "سرف" کے مقام پر رسم عروسی منائی گئی۔

حالات کے اس پس منظر میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ نکاح احرام کی حالت میں نہیں ہوا بلکہ حلت کی حالت میں ہوا تھا۔

اس شادی کے تاریخ ساز اثرات

عمرہ قضا کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے تربیت یافتہ ساتھیوں کی روحانی' اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے پاکیزہ' منور اور روشن زندگیوں نے اہل مکہ کو یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور کردیا تھا کہ واقعی اسلام ہی وہ نظریہ' عقیدہ اور نظام زندگی ہے جو انسان گری اور کردار سازی کا کام باحسن طریق انجام دے سکتا ہے۔ ان کی اس سوچ نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقانیت اور عظمت کا سکہ ان کے ذہنوں اور دلوں کی دنیا پر رائج کردیا۔ لیکن اس موقع پر سیدہ میمونہؓ کے ساتھ حضورؐ کی شادی نے انہیں ایک عجیب معاشرتی اور نفسیاتی الجھن میں مبتلا کردیا۔ انہیں یہ بات سراپا اضطراب کئے جارہی تھی کہ وہ شخص جو ان کے نزدیک روئے زمین پر سب سے زیادہ مقہور و مغضوب تھا' جس سے عداوت اور دشمنی نے انہیں اس کی جان کا دشمن اور اس کے خون کا پیاسا بنا دیا تھا اور جو نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں چھ سال پہلے یہاں سے بمشکل اپنی جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوا تھا اور اپنے بال بچوں کو ساتھ لے جانے کی بجاعئے یہیں دشمنوں کے نرغے میں چھوڑ جانے پر مجبور ہوا تھا وہی شخص آج ان کے شہر کی ایک ایسی خاتون کو

بیاہ کر ساتھ لے جارہا ہے جس کے قریش کے اکثر معزز خاندانوں سے قریبی رشتے کے تعلقات تھے۔

اہل مکہ کو حالات کا یہ انقلاب کرب و الم کے دہکتے ہوئے انگاروں پر تڑپائے جارہا تھا کہ جس ہستی کو وہ اللہ کے گھر میں خدائے واحد کی عبادت بجالانے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہ تھے' آج وہی ہستی اپنے ہزاروں پیروکاروں کے ساتھ اسی مقدس گھر میں عجب شان کے ساتھ اپنے معبود حقیقی کی بارگاہ میں سجدہ نیاز ادا کررہی ہے۔ انہیں یہ منظر آتش زیرپا کئے جارہا تھا کہ جس ذات کو انہوں نے اپنے ظلم و ستم اور جوروتعدی کے بل بوتے پر اس شہر سے دیس نکالا دیا تھا وہی ذات اپنے رفقائے کار کے ہمراہ پوری آزادی سے اس مقدس شہر میں گھوم پھر رہی تھی جبکہ وہ خود اپنے گھروں سے اور اپنے شہر سے باہر ٹیلوں اور پہاڑیوں پر خیمہ زن تھے۔

اس ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کی بنا پر قریش مکہ کی طرف سے مختلف قسم کا رد عمل ظاہر ہوا۔ ایک گروہ وہ تھا جو اس انقلاب حال کے اسباب و عوامل پر غوروفکر کرنے کی بجائے جذبات کی رو میں بہہ کر ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہوگیا تھا اور اپنی زبان اور اپنے طرز عمل سے اس کا برملا اظہار کررہا تھا۔ چنانچہ حضورؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافعؓ بیان کرتے ہیں کہ اس شادی کے بعد مکے کے چند سرپھروں نے ہمارے سامنے ہمارے آقا و مولا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین سیدہ میمونہؓ کے بارے میں نازیبا الفاظ کہے اور زبان درازیاں کیں جس پر ہمیں سخت قلبی اذیت پہنچی۔ میں نے ان سے کہا تم کیا چاہتے ہو؟ واللہ' ابھی گھوڑے اور ہتھیار وادی "یاجج" میں موجود ہیں۔ کیا تم بدعہدی اور معاہدہ شکنی پر اتر آئے ہو؟"

میری یہ بات سن کر وہ منتشر ہو گئے۔

رحمتہ للعالمین کی رحمت و شفقت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کے ان ہیجانی جذبات و احساسات سے بخوبی واقف تھے۔ آپؐ اس شادی کو تناؤ اور کشمکش کی بجائے مفاہمت و مصالحت کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ قیام مکہ کے تیسرے روز رات کے وقت قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالقریٰ، حضرت علیؓ کے پاس اور ایک روایت کے مطابق براہ راست آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

"معاہدے کے مطابق مکے میں آپ کے قیام کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے آپ اور آپ کے ساتھی یہ شہر خالی کر دیں۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت متانت اور ملائمت سے فرمایا: "اس میں کیا مضائقہ ہے کہ میں اپنی شادی کا ولیمہ مکے میں ہی کروں اور تمہیں بھی اس دعوت میں شریک کروں۔"

آپؐ کی اس تجویز کا مقصد و مدعا یہی تھا کہ اس تقریب کے ذریعے قریش کے اکابر اور سربر آوردہ افراد سے براہ راست ملنے اور بے تکلفی سے بات چیت کرنے کا موقع میسر آئے گا اور اس طرح عداوت و دشمنی کی مسموم فضا خیر سگالی اور خیر خواہی کی دلنواز نسیم سحری میں تبدیل ہو جائے گی۔ مگر جاہلی نظام کے علمبردار مکے کے حالات اور یہاں کے باشندوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے انقلاب پر پوری طرح نظر رکھے ہوئے تھے۔ انہیں اپنے اقتدار کا سنگھاسن ڈولتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اسی لئے انہوں نے خیر سگالی و خیراندیشی کی اس دعوت کو ٹھکراتے ہوئے کہا:

"اے محمدؐ (صلعم)، ہمیں آپؐ کی ضیافت کی چنداں ضرورت نہیں، اس لئے فی الحال آپؐ یہاں سے تشریف لے جائیں۔"

آپؐ نے معاہدہ حدیبیہ کی قرار داد کے پیش نظران کا یہ مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے مسلمانوں کو مکے سے روانگی کا حکم دے دیا۔ چنانچہ اگلے روز علی الصبح اللہ والوں کا یہ برگزیدہ قافلہ وہاں سے روانہ ہوگیا۔

مکے سے روانہ ہوتے وقت آپؐ ام المومنین سیدہ میمونہؓ کو اپنے ہمراہ لے جاسکتے تھے۔ اس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی۔ لیکن آپؐ نے مخالف فریق کے لوگوں کے جذبات میں تندی اور شدت کو ملائمت اور نرمی سے بدلنے اور انہیں ہیجان و ہذیان کی روح سوز کیفیت سے بچانے کے لئے ایک حکیمانہ اقدام کیا، وہ یہ کہ ام المومنینؓ کو ساتھ لے جانے کی بجائے انہیں وہیں اپنے چچا حضرت عباسؓ کے پاس رہنے دیا۔ اور حضرت ابورافعؓ کو چند ساتھیوں کے ساتھ مکے میں چھوڑ دیا تاکہ بعد میں وہ ام المومنین سیدہ میمونہؓ کو لے کر قافلے سے جاملیں۔ ابھی حضورؐ "سرف" کے مقام پر تشریف فرما تھے کہ حضرت ابورافعؓ سیدہؓ کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔

رسم عروسی

"سرف" ہی وہ مقام ہے جہاں اس شادی کی رسم عروسی ادا ہوئی۔ اس کے بعد یہ قافلہ اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوگیا اور ماہ ذی الحجہ کی ابتدائی تاریخوں میں اپنے روحانی اور دینی مرکز مدینے پہنچا۔

مکے میں کیا ہوتا ہے؟

اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ یہ شادی تاریخ اسلام میں ایک

عہد ساز اور انقلاب آفرین تقریب ثابت ہوئی۔ قریش کے ایک گروہ کا رد عمل جو جذباتیت اور جھنجلاہٹ پر مشتمل تھا اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اب ان لوگوں کے رد عمل کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے جو صاحب عقل و دانش تھے اور جن میں حالات کا جائزہ لینے کی صلاحیت تھی۔ ایسے لوگ عمرہ قضاء کے موقع پر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے مناظر دیکھ کر اپنے آبائی مذہب کے کھوکھلے پن کے معترف ہو چکے تھے۔ انہیں یقین ہو چلا تھا کہ توحید کی دعوت کا راستہ روکنے کی ان کی جملہ تدابیر اور ان کی تمام جان توڑ جدوجہد بیکار اور بے اثر ثابت ہو چکی ہے۔ یہ خیالات اور یہ احساسات ہر صاحب ہوش شخص کے ذہن میں تلاطم خیز موجوں کی طرح ابھر رہے تھے مگر ان کے اظہار کی جرات نہ پاکر سکوت اختیار کئے ہوئے تھا۔ لیکن جس شخص نے سب سے پہلے ہمت و جرات سے کام لے کر اپنے جذبات کو زبان دی وہ ام المومنین سیدہ میمونہؓ کے حقیقی بھانجے خالدؓ بن ولید تھے۔ انہوں نے اپنے دوستوں سے ببانگ دہل کہا:

"ہر صاحب عقل پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ محمد (صلعم) ساحر ہیں نہ شاعر۔ ان کی باتیں خدا کی باتیں ہیں۔"

ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے جب یہ بات سنی تو وہ وحشت زدہ ہو گیا پھر اس کی خالدؓ سے اس طرح بات چیت ہوئی:

عکرمہ۔ (خالدؓ سے) "تو صابی ہو گیا ہے۔"

خالدؓ۔ "میں صابی نہیں بلکہ خدا کے دین کو قبول کر کے مسلمان ہو گیا ہوں۔"

عکرمہ۔ "قریش میں سے جس شخص کی زبان سے ایسے الفاظ کی توقع نہ

تھی وہ تو تھا۔"

خالدؓ۔ "اس کی وجہ ؟"

عکرمہ۔ "محمد(صلعم) نے تیرے باپ کو زخمی بھی کیا اور ذلیل و خوار بھی اور جنگ بدر میں مسلمانوں نے تیرے چچا اور اس کے بیٹے کو تہ تیغ کیا۔ خدا کی قسم، تیری جگہ اگر میں ہوتا تو کبھی محمد(صلعم) کے دین کو قبول نہ کرتا۔"

خالدؓ۔ "یہ باتیں ایام جاہلیت کی عصبیت اور حمیت پر مبنی ہیں۔ خدا کی قسم اب میری آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹ چکا ہے۔ اور مجھ پر حقیقت ظاہر ہو چکی ہے۔ اس لئے میں نے بدل و جان اسلام قبول کر لیا ہے۔"

ابو سفیان کو جب حضرت خالدؓ کے قبول اسلام کی اطلاع ملی تو اس نے انہیں اپنے پاس بلا بھیجا۔ پھر ان کے درمیان سوال و جواب کا تبادلہ اس طرح ہوا:

ابو سفیان۔ (خالدؓ سے) "تمہارے متعلق جو افواہیں گرم ہیں۔ کیا ان میں کچھ صداقت ہے؟"

خالدؓ۔ "ہاں، جو کچھ تم نے سنا ہے وہ درست ہے۔"

ابو سفیان۔ (برہم ہو کر) "لات و عزیٰ کی قسم، جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر اس کی سچائی کا مجھے پورا یقین ہو گیا تو محمد(صلعم) کے ساتھ دو دو ہاتھ کرنے سے پہلے میں تم سے لڑوں گا۔"

خالدؓ۔ "یہ سچ ہے کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ جسے یہ بات پسند نہیں وہ بے شک خفا ہو جائے۔"

اس پر ابو سفیان حضرت خالدؓ پر حملہ کرنے کے لئے بڑھا مگر ابو جہل کا بیٹا عکرمہ جو اس وقت وہاں موجود تھا، بیچ میں حائل ہو گیا اور بولا:

"ابو سفیان، ٹھہرو۔ مجھے بھی وہی خدشہ ہے جو تمہیں ہے۔ ورنہ میں بھی وہی بات کہتا جو خالدؓ نے کہی ہے اور میں بھی اسلام قبول کر لیتا۔ تم خالدؓ کو اس کے عقیدے اور دین کی بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو۔ لیکن شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ قریش کے لوگوں کا زاویہ نظر بدل چکا ہے۔ وہ بھی اسی قسم کے خیالات دل میں لئے بیٹھے ہیں۔ بخدا، مجھے خطرہ ہے کہ ایک سال بھی گزرنے نہ پائے گا کہ تمام اہل مکہ اسی عقیدے اور اسی نظام کے پیروکار بن جائیں گے۔"

یہ خالدؓ وہی ہیں جنہوں نے کفر کی حمایت میں غزوہ احد ۳ ھ کے موقع پر اپنی بے مثل شجاعت اور عسکری مہارت کی بدولت مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ کو ان کے ناقابل تلافی جانی نقصان میں بدل دیا تھا۔ اور اسی طرح ایک سال پہلے ٦ ھ میں جب مسلمان پیغمبر اعظم کی قیادت میں عمرے کی نیت سے مکے کی جانب بڑھ رہے تھے تو کفار قریش کی طرف سے ان کا راستہ روکنے والے فوجی دستے کے کمانڈر انچیف بھی وہی تھے۔

اب ان کا دل حق و صداقت کے نور سے منور ہوا تو اس کی اطلاع انہوں نے اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں بھیجی اور ساتھ ہی کچھ گھوڑے بھی اپنی وفاداری کے اظہار کی خاطر روانہ کئے۔

رد عمل کا ایک اور رخ

عمرو بن العاص، قریش کے معزز خاندان بنی سہم کے چشم و چراغ، بلند پایہ فوجی جرنیل اور بالغ النظر مدبر اور سیاست دان تھے۔ اسلام کے نخلِ پُر بہار کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی جدوجہد میں وہ پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ خود بیان کیا ہے جسے علامہ ابن اثیر نے اپنی

"کامل" میں نقل کیا ہے' وہ بیان کرتے ہیں:

"میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد رسول اللہ کا مقام بہت بلند ہو رہا ہے اس لئے آؤ ہم نجاشی بادشاہ کے پاس حبشہ چلے جائیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو حضورؐ کے ایلچی عمروؓ بن امیہ ضمری بھی وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ میں نے نجاشی سے مطالبہ کیا کہ عمروؓ کو میرے حوالے کردیا جائے تاکہ میں اسے قتل کر کے قریش مکہ کے ہاں خاص مقام حاصل کروں۔ اس پر بادشاہ سخت غضبناک ہو کر بولا کیا تو چاہتا ہے:" کہ میں اس برگزیدہ ہستی کے ایلچی کو تیرے حوالے کردوں جس کے پاس وہی ناموس آتا ہے جو حضرت موسیٰ کے پاس آتا تھا اور وہ اپنے مخالفوں پر اسی طرح غالب آئے گا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آئے تھے" میں نے کہا کیا واقعی محمدؐ ایسے ہی ہیں جیسا تم کہتے ہو؟ بادشاہ نے کہا "اے عمرو' تیری حالت پر افسوس ہے۔ میری بات مان' اور اس نبی کا پیروکار ہوجا۔" اس پر میں نے نجاشی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے وہاں سے چل پڑا۔

حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص آپس میں بڑے گہرے اور مخلص دوست تھے۔ اور یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ان دونوں عظیم ہستیوں کو اسلام کی دولت اور بارگاہ رسالت میں معتقدانہ حاضری کی سعادت بھی اکٹھی ایک ہی وقت ملی۔ ماہ صفر ۸ھ کو حضرت خالدؓ مکے سے روانہ ہوئے اور حضرت عمروؓ بن العاص حبشہ سے۔ راستے میں ملاقات ہوگئی۔ مقصد کی ہم آہنگی نے دونوں میں ایک ولولہ تازہ پیدا کردیا اور اپنے منعم و محسن کی خدمت میں باریاب ہو کر انہوں نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں اور توانائیوں کا

نذرانہ آپؐ کے قدموں پر نچھاور کردیا۔

ان جلیل القدر ہستیوں کے اسلامی کیمپ میں آجانے سے اس کی فوجی اور عسکری قوت و حشمت میں بے کراں اضافہ ہوگیا۔ اور دوسری طرف کفر و شرک کے مرکز میں نامرادی اور مایوسی کے شدید احساس کی وجہ سے صف ماتم بچھ گئی کیونکہ اب ان کے ہاں کوئی ایسا نامور اور تجربہ کار فوجی جرنیل باقی نہیں رہا تھا جس کی فنی مہارت اور غیر معمولی صلاحیت پر اعتماد کرکے میدان کارزار میں قدم رکھا جائے۔

بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ مکہ روحانی' اخلاقی' معاشرتی اور نفسیاتی لحاظ سے عمرۃ قضاء ۷ھ کے موقع پر ہی فتح ہوگیا تھا جب سیدہ میمونہؓ کی شادی بیت العتیق کے رب کے آخری رسولؐ کے ساتھ ہوئی تھی گو سیاسی اور فوجی نقطہ نظر سے اس فتح کی تکمیل رمضان ۸ھ میں ہوئی اور عکرمہ بن ابی جہل کا وہ خیال پورا ہوگیا کہ ایک سال کے عرصے میں مکے کے تمام لوگ محمدؐ کے دین کو قبول کرلیں گے۔

نجد کے علاقے میں اس شادی کے اثرات

یہ شادی جہاں مکے میں ایک انقلاب بپا کرنے کا موجب بنی' وہاں اس کے مثبت اثرات نجد کے علاقے میں بھی ظاہر ہوئے۔ نجد کے لوگ شروع سے مدینے کی نوزائیدہ اسلامی ریاست کے مخالف تھے۔ عرب میں جب بھی اسلام کے خلاف کوئی محاذ قائم ہوتا تو اہل نجد اس میں پیش پیش ہوتے۔ انہوں نے مدینہ منورہ سے ستر مبلغین کو اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے لئے اپنے ہاں بلایا اور دھوکے سے ان سب کو شہید کردیا۔

مگر اس شادی سے اہل نجد کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

رشتے داری قائم ہوگئی۔ جس کے بعد ان کے لئے مخالفت اور عداوت کی روش پر قائم رہنا ممکن نہ رہا۔

ہم شروع میں بیان کرچکے ہیں کہ سیدہ میمونہؓ کی ایک حقیقی بہن نجد کے سردار عبداللہ بن مالک کے نکاح میں تھیں جو قبیلہ ہلال بن عامر کا سردار تھا۔ سیدہؓ کی اس بہن کا نام قاضی سلیمان منصورپوری نے رحمتہ للعالمین جلد دوم میں "عزہ" لکھا ہے۔ لیکن صحیح بخاری کی روایات میں حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اپنی اس خالہ کا نام حفیدہؓ بتاتے ہیں۔

اس شادی کے بعد قبیلہ ہلال بن عامر نے پورے اخلاص کے ساتھ اپنی وفاداریاں اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ مخصوص کردیں۔ اس قبیلے کے نمائندہ وفد نے مدینے حاضر ہوکر اپنی اطاعت کا اعلان کیا۔ اسی وفد میں حضرت حفیدہؓ کے صاحبزادے زیادبن عبداللہ بن مالک بھی شامل تھے۔ وہ اپنی خالہ ام المومنین سیدہ میمونہؓ کے گھر ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ جب وہ اپنی خالہ کے پاس موجود تھے تو حضورؐ گھر میں تشریف لائے۔ وہاں ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر ناراض ہوئے اور واپس جانے لگے۔ اتنے میں ام المومنین نے عرض کیا: "یارسول اللہ' یہ شخص تو میرا حقیقی بھانجا ہے۔" اس پر آپؐ زیادؓ کے قریب تشریف لائے اور ان پر شفقت کا اظہار فرمایا۔

کاشانہ نبوت میں

ام المومنین سیدہ میمونہؓ ذی الحجہ ۷ ھ میں اہل ایمان کے قافلے کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچیں۔ جب وہ کاشانہ نبوی میں رونق افروز ہوئیں تو اس وقت پہلے ہی آٹھ اور بلند بخت خواتین وہاں موجود تھیں۔ جو براہ راست انوار نبوت سے فیض یاب ہورہی تھیں۔ سیدہ میمونہ کو یہ اعزاز اور خصوصی

امتیاز حاصل ہے کہ اس حرم مقدس میں قدم رنجہ فرمانے والی یہ آخری خاتون ہیں۔ ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات اور کوئی شادی نہیں کی۔

دوسری ازواج مطہرات کی طرح سیدہؓ کو بھی رہائش کے لئے ایک علیحدہ مکان ملا جو مسجد نبوی سے شام کی سمت واقع تھا۔ گذراوقات کے لئے بطورنان و نفقہ ۸۰(اسی) وسق کھجور اور ۲۰ (بیس) وسق جو سالانہ مقرر ہوئے۔ ان اجناس کے خرچ کے معاملے میں وہ خودمختار اور آزاد تھیں۔

سیرت و کردار کا خصوصی جوہر

ام المومنین سیدہ میمونہؓ نہایت پرہیزگار' خداترس ' عبادت گزار اور صلہ رحمی کے تقاضوں کا پوری طرح خیال رکھنے والی خاتون تھیں۔ چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ ان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں فرماتی ہیں:

"میمونہؓ ہم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والی اور صلہ رحم کا خیال رکھنے والی تھیں۔"

زبان رسالت سے سیدہؓ کے ایمان و اخلاص کی شہادت

ام المومنین سیدہ میمونہؓ کی اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہوسکتی ہے کہ ان کے مخلصانہ ایمان کی شہادت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان وحی ترجمان سے دی۔ علامہ ابن سعد نے سیدہؓ کے حالات میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" تینوں بہنیں مومنہ ہیں۔ یعنی

میمونہؓ، ام الفضلؓ، اور اسماءؓ۔"

حجتہ الوداع میں شمولیت کی سعادت

۱۰ ھ میں رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا آخری حج ادا فرمایا۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ اس حج میں ایک لاکھ چالیس ہزار فرزندان توحید شریک ہوئے اور اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان اہل ایمان کی تمام روحانی مائیں بھی ان کے سروں پر اپنی مادرانہ شفقت و رحمت کا سایہ کئے ہوئے اللہ کے دین کے اس اہم رکن کی ادائیگی کے وقت اللہ کے رسولؐ کے ساتھ موجود تھیں۔ ان امہات المومنین نے حج کے مناسک کی تعلیم اور اس کے شرائط و آداب کی تفصیلات بلاواسطہ حضورؐ سے حاصل کر کے اپنے قلب و ذہن میں اس طرح محفوظ کیں کہ امت مسلمہ اس معاملے میں رہنمائی کے حصول کی خاطر پورے اعتماد سے ان کی طرف رجوع کرتی رہی اور کرتی رہے گی۔

غم و اندوہ کا کوہ گراں

ام المومنین سیدہ میمونہؓ تقریباً" سوا تین سال اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور آپؐ کی خصوصی توجہ و التفات سے سعادت اندوز ہوتی رہیں۔ ربیع الاول ۱۱ ھ میں جب آپؐ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے تو سیدہؓ غم و اندوہ کی تصویر بن کر رہ گئیں۔ لیکن انہوں نے قلب و ذہن کو ماؤف کر دینے والا یہ صدمہ تسلیم و رضا کی ایمانی صفت سے سرشار ہو کر پورے صبر و ثبات سے برداشت کیا اور اپنی باقی زندگی جو عام روایات کے مطابق چالیس سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال بنتی ہے، اپنی

روحانی اولاد کی تعلیم و تربیت اور اس کی خیر خواہی و ہمدردی کا فریضہ انجام دینے میں بسر کردی۔

تعلیم و تربیت کا اہم کام

ام المومنین سیدہ میمونہؓ نے امت مسلمہ تک اس کے دینی و روحانی پیشوا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و ارشادات اور ان کی خانگی وعائلی زندگی کی تفصیلات پہنچانے کا کام پوری ذمے داری اور کمال حزم و احتیاط سے انجام دیا۔ سیدہؓ سے ۷۶ احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک صحیح بخاری اور پانچ صحیح مسلم میں منقول ہیں اور باقی احادیث کی دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ ان کی بیان کردہ احادیث کی اہمیت اور عظمت کا اس امر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان سے احادیث بیان کرنے والے راویوں میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، عبداللہ بن شدادؓ، عبدالرحمٰن بن سائبؓ، عبیداللہ الخولانیؓ اور عطاء بن یسارؓ جیسے جلیل القدر اور ثقہ افراد شامل ہیں۔

ویسے تو ام المومنین سیدہ میمونہؓ کی بیان کردہ احادیث میں دین کی بنیادی تعلیمات اور احکام شریعت کے متعلق اتنا تنوع اور اتنی ہمہ گیری پائی جاتی ہے کہ وہ زندگی کے اکثر شعبوں پر حاوی ہیں لیکن ہم ذیل میں اختصار کے پیش نظر چند باتوں کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

صلہ رحمی

اللہ کے دین میں صلہ رحمی یعنی قریبی رشتے داروں سے حسن سلوک اور ان کی جائز ضروریات کی تکمیل کے لئے امکانی جدوجہد، کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسی تصوراور اسی حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے ام المومنین

سیدہ میمونہؓ ایک حدیث بیان کرتی ہیں جس میں فرماتی ہیں:

"میرے پاس ایک کنیز تھی۔ میں نے اسے راہ خدا میں آزاد کردیا۔ جب حضورؐ نے اسے گھر میں نہ پایا تو اس کے متعلق مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے عرض کی کہ میں نے اسے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر آزاد کردیا ہے۔

آپؐ نے فرمایا:"لونڈی صحت مند اور طاقت ور تھی اگر تم اسے اپنے کسی عزیز کو دے دیتیں تو بہتر ہوتا۔" (طبقات ابن سعد)

حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو سیدہؓ نے اپنے قلب و ذہن میں اس طرح راسخ کرلیا کہ بھرپوری زندگی اس کو ایک رہنما اصول کے طور پر اپنایا۔ اپنے رشتے داروں کے ساتھ فیاضانہ اور ہمدردانہ سلوک اور ان کی حاجت براری ان کا محبوب نصب العین بن گیا۔ وہ طبعاً" فیاض، کشادہ دست اور وسیع القلب تھیں۔ اگر پاس کچھ نہ ہوتا تو قرض لے کر بھی ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کردیتیں۔ اس طرح ایک دفعہ ان کے ذمہ بھاری قرض ہوگیا۔ کسی نے کہا ام المومنین یہ قرض کیسے ادا ہوگا؟ فرمایا:

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ خود اس کا قرض ادا کرنے کے اسباب و وسائل مہیا کردیتا ہے۔" (تذکار صحابیات)

منکرات سے نفرت

ام المومنین سیدہ میمونہؓ کو اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے بے پناہ محبت اور انس تھا۔ لیکن ان کی کوئی ایسی حرکت جو احکام شریعت کے منافی ہوتی آپ سختی سے اس کے خلاف اپنی بیزاری اور برہمی کا اظہار فرمادیتیں۔

اس معاملے میں خونی رشتے کی محبت اور انسیت حائل نہ ہونے پاتی۔ سیدہؓ کے بھانجے حضرت یزید بن اصمؒ بیان کرتے ہیں:

"سیدہ میمونہؓ کے گھران کا ایک عزیز آیا۔ اس کے منہ سے شراب کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ سیدہؓ نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا:" خبردار' اس حالت میں میرے گھر کبھی نہ آنا۔" (طبقات ابن سعد)

دین آسان ہے

اسلام دین فطرت ہے۔ قابل عمل' سہل اور سادہ ہے لیکن دین میں غلو کرنے والے اسے پیچیدہ' سخت' مشکل اور عام لوگوں کے لئے ناقابل عمل بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ دین کے معاملے میں یہ شدت اور یہ حدت بھی دین میں تحریف کی ہی ایک قسم ہے۔ لیکن اہل ایمان پر ان کی روحانی شفیق ماؤں کا یہ ناقابل فراموش عظیم احسان ہے کہ انہوں نے رسولؐ اللہ کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں دین کی تعلیمات کو اصل صورت میں پیش کیا' بالخصوص ان مسائل اور معاملات کے بارے میں جن کا تعلق خاص طور پر طبقہ نسواں سے ہے۔ اس کی چند مثالیں ام المومنین سیدہ میمونہؓ کے حوالے سے پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ ایک عورت سفر پر جانے کی تیاری کر کے رخصت ہونے کے لئے سیدہؓ کے پاس آئی۔ پوچھا "کدھر کا ارادہ ہے؟" اس نے بتایا کہ "میں سخت بیمار ہوگئی تھی اور صحت کی کوئی امید باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے اس ناامیدی کی حالت میں منت مانی کہ اگر میں صحت یاب ہوگئی تو بیت المقدس جاکر نماز پڑھوں گی۔ خدا نے مجھے صحت عطا فرمادی۔ اب میں اپنی منت پوری کرنے بیت المقدس جارہی ہوں۔" یہ سن کر ام المومنین نے ازراہ شفقت و محبت فرمایا:

"تم بیت المقدس میں جانے کے بجائے مسجد نبوی میں ہی نماز پڑھ لو۔ اس طرح منت بھی پوری ہوجائے گی اور ثواب بھی زیادہ ہوگا۔ اللہ کو مسجد نبوی مسجد اقصیٰ سے زیادہ محبوب ہے۔ اس میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کے مقابلے میں ہزار گنا زیادہ اجرو ثواب کا موجب ہے۔"

چنانچہ اس خاتون نے ام المومنین کے مشورے پر عمل کرکے اپنے آپ کو سفر کی بے پناہ تکالیف و مصائب سے بچالیا۔

خاص ایام میں عورت کی حیثیت

قران مجید میں ارشاد ہے کہ

"اے نبی' لوگ آپ سے "خاص ایام" کے حکم کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہو وہ ایک گندگی کی حالت ہے' اس میں عورت سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک وہ پاک صاف نہ ہوجائیں۔ (سورہ بقر آیت ۲۲۲)

اسی قرآنی حکم کی روشنی میں عہد صحابہؓ میں بھی کچھ لوگوں کا تصور یہ تھا کہ ان ایام میں عورت ایسی گندی اور ناپاک ہوجاتی ہے کہ اگر وہ کسی چیز کو ہاتھ لگا دے تو وہ بھی گندی اور نجس ہوجائے گی۔ اس تصور اور اس خیال سے گھریلو زندگی میں بے شمار تکلیف دہ اور پریشان کن پیچیدگیاں پیدا ہورہی تھیں۔ ام المومنین سیدہ میمونہؓ نے رسول اللہ کے طرز عمل کی روشنی میں اس معاملے کی وضاحت کی اور اس کی تشریح و توضیح کے سلسلے میں اپنی نجی زندگی کے گوشے بھی اپنے روحانی بیٹوں اور بیٹیوں کے سامنے کھول کر رکھ دیئے۔

حالانکہ ان نجی حالات کا اخفا ہر خاتون کا فطری اور بنیادی حق ہے لیکن

انہوں نے اپنی روحانی اولاد کی بھلائی کی خاطر اس بے مثل ایثار سے بھی دریغ نہیں کیا۔ یہی ان کی عظمت ہے۔

ا۔ ایک دفعہ سیدہؓ کے بھانجے حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی حالت عجب پراگندہ تھی۔ سر کے بال بکھرے ہوئے اور چہرے بشرے پر پریشان حالی کے آثار نمایاں۔ سیدہؓ نے ان سے پوچھا: "تم نے اپنی یہ حالت کیا بنا رکھی ہے؟" انہوں نے جواب میں کہا۔

"میری بیوی ہی میرے بالوں میں کنگھا کیا کرتی تھی اور وہی انہیں بناتی سنوارتی تھی۔ آج کل وہ "خاص ایام" کی حالت میں ہے۔ اس لئے میں نے اس سے بالوں میں کنگھا کرانا مناسب نہ سمجھا۔"

اس پر ام المومنین سیدہ میمونہؓ نے محبت بھرے انداز میں فرمایا:

"واہ، بیٹے، کبھی ہاتھ بھی ناپاک ہوتے ہیں۔ ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹے ہوتے اور قرآن پاک کی تلاوت فرماتے رہتے۔"

اسی طرح انہیں یہ بات سمجھاتے ہوئے کہ عورتیں اگر ایسی حالت میں ہوں تو ان کے کسی چیز کو چھو لینے سے وہ چیز ناپاک نہیں ہوجاتی، نہایت بلیغ انداز میں فرمایا:

"ہم ان "خاص ایام" کی حالت میں مصلا لاکر آپؐ کی نماز پڑھنے کی جگہ پر بچھادیتی تھیں۔"

اسی طرح اس امر کو ذہن نشین کرانے کے لئے کہ ایسی حالت والی خاتون کے جسم سے کوئی چیز یا کپڑا لگ جائے تو وہ بھی نجس یا ناپاک نہیں ہوجاتا، سیدہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ اور طرز عمل کی

وضاحت اس طرح فرمائی:

"حضورؐ اپنے گھر میں جانماز پر نماز پڑھتے ہوتے۔ اور میں "خاص ایام" کی حالت میں ہونے کے باوجود آپؐ کے پاس ہی لیٹی رہتی اور آپؐ کی چادر میرے جسم سے مس ہوجاتی تھی۔"

"خاص ایام" میں خواتین کی حیثیت کے مسئلے کے علاوہ ایک اور معاملہ کو احتیاط پسند افراد نے دینی جذبے کے تحت خاصا پیچیدہ اور مشکل بنا رکھا تھا۔ وہ معاملہ تھا ناپاکی کی حالت میں پاک ہونے کے لئے غسل میں حزم و احتیاط۔ ام المومنین سیدہ میمونہؓ نے اپنی دینی اولاد کو اسے اس سہل اور سادہ طریقے سے روشناس کرایا جو انہوں نے حضورؐ کے عمل سے اخذ کیا تھا۔ فرماتی ہیں:

میں اور حضورؐ ایسی حالت میں ہوتے جب غسل فرض ہوجاتا ہے۔ ہم دونوں پانی کے ایک لگن سے ایک ساتھ ہی غسل کرلیتے تھے۔"

ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں:"حضورؐ بھی ناپاکی کی حالت میں تھے اور میں بھی۔ میں نے ایک ٹب کے پانی سے غسل کیا۔ کچھ پانی بچ گیا۔ اس بچے ہوئے پانی سے حضورؐ نے غسل فرمایا' حالانکہ میں کہتی رہی کہ اس پانی سے میں غسل کرچکی ہوں جب کہ میں ناپاکی کی حالت میں تھی۔

آپؐ نے فرمایا۔"پانی پر جنابت کا اثر نہیں ہوجاتا۔"

خدا کی نعمتوں کی قدر

ارشاد خداوندی ہے:

"اگر تم میری نعمتوں کی قدر کروگے تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا۔ اور

اگر کفران نعمت کرو گے تو میری سزا بہت سخت ہے۔"

کفران نعمت کی سب سے اہم اور واضح صورت یہ ہے کہ خدا کے دیئے ہوئے رزق یعنی کھانے پینے کی چیزوں کو بے دردی اور بھونڈے پن سے ضائع کردیا جائے اور بچے ہوئے کھانے کو گندی نالیوں میں انڈیل دیا جائے یا اسے کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں کی زینت بنادیا جائے۔ جس قوم اور جس معاشرے میں رزق کی ناقدری کی یہ وبا عام ہوجاتی ہے وہ لازمی طور پر اقتصادی بحران کی دلدلوں میں دھنس کر رہ جاتی ہے۔ ام المومنین سیدہ میمونہؓ جن کا فکر اور جن کا ذہن اللہ کے رسولؐ کی تعلیم و تربیت کی وجہ سے ایمان کی کامل حلاوت سے شادکام ہوچکا تھا جب انہوں نے انار کے چند دانے زمین پر پڑے ہوئے دیکھے تو فورا" قریبی لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی اور ایک خیرخواہ ماں کی حیثیت سے انہیں متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

"خداوند کریم بگاڑ کو پسند نہیں کرتا۔"

انار کے چند دانوں کا ضیاع بظاہر معمولی سی بات تھی۔ لیکن سیدہؓ اپنی ایمانی بصیرت سے اس بے پروائی میں اس اخلاقی' روحانی اور معاشی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کی جھلک دیکھ رہی تھیں جو آخرکار ایک ایسے بگاڑ کی صورت اختیار کرلیتی ہیں جو خالق کائنات کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں۔

دنیا سے بے رغبتی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ام المومنین سیدہ میمونہؓ کی طبیعت اور ان کے مزاج میں دنیائے فانی سے بے رغبتی اور بے تعلقی کی کیفیت کافی نمایاں ہوگئی تھی۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی سے کنارہ کش ہوگئی تھیں بلکہ اس وجدانی کیفیت کی

بدولت وہ دنیا کی زیب وزینت اور اس کے سامان عیش و عشرت سے کافی حد تک بے نیاز ہوگئیں تھیں۔ لباس بڑا سادہ پہنتیں، چنانچہ ان کے تربیت یافتہ حضرت عبداللہ الخولانی بیان کرتے ہیں کہ سیدہؓ کا لباس اکثر ایک دوپٹے اور ایک لمبی قمیض پر مشتمل ہوتا۔ اسی لباس سے وہ نماز بھی پڑھتیں (یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ قمیض یا کرتا اتنا لمبا ہوتا تھا جو چہرے کے سوا تمام جسم کو ڈھانپ لیتا تھا، ایسے لباس کو آجکل "میکسی" کہتے ہیں۔)

سیدہؓ کے بھانجے یزید بن اصمؒ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ کی وفات کے بعد میمونہؓ اکثر اپنے سر کے بال منڈوا دیتی تھیں۔ "عقبہ" نے راوی سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں (یزید) نے جواب میں کہا "شاید وہ دنیا سے بے رغبتی کے اظہار کے لئے ایسا کرتی تھیں۔"

وفات

ام المومنین سیدہ میمونہؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری تدفین اسی مقام پر کی جائے جہاں مجھے سب سے پہلے حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں باریابی کا شرف حاصل ہوا تھا" یعنی "سرف" کے مقام پر جو مکے سے دس میل دور مدینے کے راستے پر واقع ہے۔ ان کے سال وفات کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن سعد نے "طبقات" میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے یزید بن معاویہؓ کے عہد حکومت میں ۶۱ ھ میں وفات پائی اور اس وقت ان کی عمر ۸۱ سال تھی۔ لیکن اکثر ارباب سیر ان کا سن وفات ۵۱ ھ بیان کرتے ہیں۔ علامہ شبلی اور قاضی سلیمان منصورپوری اور طالب ہاشمی جیسے ثقہ سیرت نگار اسی کو درست قرار دیتے ہیں۔

حجؒ سے واپسی پر مکے کے قریب ہی ان کا انتقال ہوا۔ وصیت کے مطابق

ان کا جنازہ "سرف" میں لایا گیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت ابن عباسؓ نے باواز بلند لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:

"مسلمانو' یہ اللہ کے آخری رسولؐ کی رفیقہ حیات اور اہل ایمان کی ماں ہیں۔ ان کا جنازہ آہستہ آہستہ ادب کے ساتھ لے کر چلو۔ دیکھو' انہیں کوئی جھٹکا نہ لگنے پائے۔"

سرف میں خاص اسی جگہ پر ام المومنین سیدہ میمونہؓ کی آخری آرام گاہ تیار کی گئی جہاں ۴۳ سال پہلے ۷ ھ میں رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ نصب ہوا تھا جس میں ان کی رسم عروسی ادا ہوئی تھی۔

ام المومنین کے جسد اطہر کو حضرت ابن عباسؓ' عبدالرحمٰن بن خالدؓ اور عبیداللہ الخولانی نے لحد میں اتارا۔ یزید بن اصمؒ بیان کرتے ہیں کہ جب ہم نے سیدہؓ کو ان کی ابدی قیام گاہ میں اتارا تو ان کا سر ایک طرف کو جھک گیا۔ میں نے سیدھا کرنے کے لئے سر کے نیچے اپنی چادر رکھ دی۔ لیکن ابن عباسؓ نے چادر نکال کر اس کی جگہ ایک پتھر رکھ دیا۔

باب نمبر۱۲

امہات المومنین کی بیان کردہ روایات میں سے چالیس احادیث کا مجموعہ

گلدستہ احادیث

امہات المومنین کی بیان کردہ احادیث میں سے ہم چالیس احادیث کا ایسا خوش رنگ اور عطر بیز گلدستہ تیار کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جس میں مشام جان کو معطر اور قلب و نظر کو منور کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان میں ۲۹ متفق علیہ احادیث ہیں' یعنی جنہیں امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں متفقہ طور پر درج کیا ہے۔ اہل علم اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ فن روایت کی رو سے متفق علیہ روایات کا مقام اور مرتبہ کتنا اہم اور بلند ہے۔

ان احادیث کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ امہات المومنین کو اپنی ذمے داریوں کا کتنا شدید احساس تھا۔ انہوں نے ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد کو بغور سنا اور آپؐ کے ہر فعل اور عمل کا پوری احتیاط اور توجہ سے مطالعہ کیا اگر انہیں کسی معاملے میں کوئی ابہام محسوس ہوا یا طبیعت میں کوئی شک پیدا ہوا تو یقین کی کیفیت حاصل کرنے کے لئے اپنے شک و شبہ کا سوال کی صورت میں فوراً اظہار کردیا اور آپؐ

سے تسلی بخش جواب حاصل کرلیا تاکہ پورے اعتماد کے ساتھ علم و حکمت کے اس خزینے کو اپنی روحانی اولاد کو منتقل کرسکیں۔

اسلام نے عورت کو جو بلند اور ارفع مقام عطا فرمایا اور اس کی فطری اور طبعی مجبوریوں اور نزاکتوں کے پیش نظر اللہ کے دین نے اسے جو خصوصی سہولتیں اور رعایتیں عطا کیں ان سب کا ماخذ امہات المومنین کی بیان کردہ احادیث و روایات ہی ہیں۔ ان کا طبقہ اناث پر یہ احسان عظیم ہے۔

اب ہم ذیل میں امہات المومنین کی بیان کردہ احادیث کی تعداد کا ایک گوشوارہ پیش کرتے ہیں۔ اس میں متفق علیہ کی تعداد بھی ظاہر کی گئی ہے۔ سیدہ خدیجہؓ اور سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ سے اس لئے کوئی حدیث منقول نہیں کیونکہ ان کا انتقال حضورؐ کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا۔

نمبر شمار	ام المومنین کانام	سال نکاح	سال وفات	بیان کردہ احادیث کی کل تعداد	متفق علیہ کی تعداد
۱	سیدہ خدیجہؓ	۱۵ قبل نبوت	۱۰ نبوت		
۲	سیدہ سودہؓ	شوال ۱۰ نبوت	۲۲ ھ	۵	
۳	سیدہ عائشہؓ	شوال ۱ ھ رخصتی	۵۷ ھ	۲۲۱۰	۱۷۴
۴	سیدہ حفصہؓ	شعبان ۳ ھ	۴۵ ھ	۶۰	۴
۵	سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ	۴ ھ	۴ ھ		
۶	سیدہ ام سلمہؓ	شوال ۴ ھ	۶۳ ھ	۳۷۸	۱۳
۷	سیدہ زینبؓ	ذی قعدہ ۵ ھ	۲۰ ھ	۱۱	۲

	بنت جحش				
۸	سیدہ جویریہؓ	۶ھ	۵۰ھ		۷
۹	سیدہ ام حبیبہؓ	۶ھ	۴۴ھ	۶۵	۲
۱۰	سیدہ صفیہؓ	محرم ۷ھ	۵۰	۱۰	۱
۱۱	سیدہ میمونہؓ	ذی قعدہ ۷ھ	۵۱ھ	۷۶	۷
				۲۸۲۲	۱۰۳

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ

اہل ایمان کی اولاد بھی جنت میں جائے گی

ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان دو بچوں کے متعلق دریافت کیا جو عہد جاہلیت میں فوت ہوگئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "وہ دونوں دوزخ میں ہیں۔" جب حضورؐ نے ام المومنین کے چہرے پر رنج و ملال کے آثار دیکھے تو فرمایا کہ اگر تم ان کی حالت دیکھ لو کہ وہ کس طرح اللہ کی رحمت سے دور ہیں تو تمہیں سخت دکھ ہو۔ ام المومنین سیدہ خدیجہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ' میرے وہ بچے جو آپؐ سے ہیں اور فوت ہوچکے ہیں ان کے متعلق کیا ارشاد ہے؟" آپؐ نے فرمایا "وہ جنت میں ہیں اس کے بعد فرمایا کہ بے شک اہل ایمان اور ان کے بچے جنت میں ہیں لیکن مشرک اور ان کی اولاد دوزخ میں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ ہے):

" جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد بھی کسی درجے ایمان میں ان کے نقش قدم پر چلی ہے۔ ان کی اس اولاد کو بھی ہم ان کے ساتھ جنت

میں ملا دیں گے۔ اور ان کے عمل میں کوئی گھاٹا ان کو نہ دیں گے۔ (سورہ طور آیت ۱۴)

اس روایت کو امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے۔

ام المومنین سیدہ سودہؓ

دباغت سے مردہ جانور کی کھال پاک ہوجاتی ہے

ام المومنین سیدہ سودہؓ بیان کرتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مر گئی۔ ہم نے اس کے چمڑے کو دباغت دے دی۔ ہم اس پر کھجور کا پانی ڈالتے رہے یہاں تک کہ وہ پرانی مشک ہوگئی۔ (بخاری)

ام المومنین سیدہ عائشہ

مقربین کی علامات

ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے دریافت کیا "جانتے ہو قیامت کے روز کون لوگ سب سے پہلے پہنچ کر اللہ کے سائے میں جگہ پائیں گے؟" لوگوں نے عرض کیا۔ "اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا۔ "یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا حال یہ تھا کہ جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو قبول کیا۔ جب ان سے حق مانگا گیا تو ادا کیا اور دوسروں کے معاملے میں ان کا فیصلہ وہی کچھ تھا جو خود اپنی ذات کے لئے تھا۔" (مسند احمد)

کاہنوں اور نجومیوں سے بچنے کی ہدایت

ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا "کہانت کی کوئی حقیقت نہیں۔" اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا "یارسول اللہ' ان کی بتائی ہوئی کوئی بات کبھی ٹھیک بھی نکل آتی ہے۔" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ صحیح بات کوئی جن کسی فرشتے سے اچک لیتا ہے اور اپنے دوست کے کان میں پھونک دیتا ہے جسے وہ کاہن سو جھوٹی باتوں میں گڈمڈ کر کے بیان کر دیتا ہے۔" (متفق علیہ)

گھر میں کتے اور تصویر کی موجودگی میں فرشتہ نہیں آتا

ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ فلاں وقت آؤں گا۔ وہ وقت آیا مگر وہ نہ آئے۔ آپؐ کے ہاتھ میں اس وقت ایک لاٹھی تھی۔ آپؐ نے اسے زمین پر پٹخ دیا اور فرمایا۔" اللہ اور اس کے قاصد سے تو وعدہ خلافی ہو ہی نہیں سکتی۔" پھر آپؐ نے ادھر ادھر نظر ڈالی تو دیکھا کہ تخت کے نیچے کتے کا ایک پلا پڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔" یہ پلا کسی وقت گھس آیا؟" میں نے عرض کیا کہ مجھے تو اس کا پتہ نہیں۔ آپؐ نے اسے نکالنے کا حکم دیا۔ جب وہ نکل گیا تو جبرئیل علیہ السلام آ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا "تم مجھ سے وعدہ کر گئے تھے۔ میں انتظار کرتا رہا۔ تم آئے کیوں نہیں؟" جبریل علیہ السلام نے عرض کیا " یہ کتا میرے آنے میں مانع ہوا۔ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جہاں کتا یا تصویر ہو۔" (مسلم)

میت کو صدقے کا ثواب پہنچتا ہے

ام المومنین سیدہ عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہوگیا اور انہیں وصیت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اور میرا خیال ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتیں۔ اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اس کا ان کو ثواب پہنچے گا؟ آپؐ نے فرمایا "ہاں" (متفق علیہ)

میت کی طرف سے روزوں کی قضا

ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو شخص مرجائے اور اس کے ذمہ روزے واجب الادا ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔ (متفق علیہ)

رضاعت سے بھی رشتے داری قائم ہوتی ہے

ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے حضرت افلحؓ نے جو ابوالقعیس کے بھائی تھے' میرے گھر کے اندر آنے کے لئے اجازت طلب کی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب پردے کا حکم آچکا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ جب تک رسولؐ اللہ سے اجازت نہ لے لوں مجھے انہیں گھر کے اندر آنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے کیونکہ مجھے دودھ ان کے بھائی ابوالقعیس نے تو نہیں پلایا بلکہ میں نے ان کی بیوی کا دودھ پیا ہے۔ اس کے بعد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے عرض کیا "یارسول اللہ' ابوالقعیس کے بھائی افلحؓ نے میرے گھر میں آنے کی اجازت مانگی تھی۔ لیکن میں نے کہہ دیا جب تک آپؐ سے اجازت نہ لے لوں میں اجازت نہیں دے سکتی۔" اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" تمہیں اپنے چچا کو

آنے کی اجازت دینے میں کیا چیز مانع تھی؟" میں نے عرض کیا" یارسول اللہ' مجھے ابوالقعیس نے نہیں بلکہ اس کی بیوی نے دودھ پلایا تھا۔" آپؐ نے فرمایا " تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ انہیں آنے کی اجازت دے دو۔ وہ تمہارے چچا ہیں۔" (متفق علیہ)

خاوند کے مال پر بیوی کا حق

ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ عتبہ کی بیٹی اور ابوسفیانؓ کی بیوی "ہند" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا" یارسولؐ اللہ' ایک وقت تھا جب پوری زمین پر کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا ذلیل ہونا مجھے آپؐ کے گھروالوں کے ذلیل ہونے سے زیادہ پسند ہوتا۔ لیکن پھر یہ حالت ہوگئی کہ آج روئے زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں ہے جس کا عزت مند ہونا مجھے آپؐ کے گھروالوں کے معزز و محترم ہونے سے زیادہ محبوب ہو۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ابھی تمہاری محبت میں مزید اضافہ ہوگا۔" اس نے عرض کیا" یارسول اللہ' ابوسفیانؓ ایک کنجوس شخص ہے۔ تو کیا یہ بات مناسب نہ ہوگی کہ میں اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال میں سے اپنے اور اس کے بال بچوں پر خرچ کرلیا کروں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا"میں اس طرح خرچ کرنے کو جائز نہیں سمجھتا مگر صرف اس صورت میں جب یہ خرچ دستور کے مطابق ہو۔" (متفق علیہ)

مریض پر معوذات پڑھ کر دم کرنا

ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

جب بیمار ہوتے تو معوذات (سورہ اخلاص ' سورہ فلق اور سورہ الناس) پڑھ کر خود پر دم کرلیا کرتے تھے۔ پھر جب آپؐ کی علالت نے شدت اختیار کرلی تو یہ معوذات میں پڑھ کر آپؐ کے دست مبارک پر دم کرکے آپؐ کے جسم اطہر پر آپؐ ہی کا دست مبارک برکت کی توقع میں پھیرا کرتی تھی۔ (متفق علیہ)

میدان حشر کی کیفیت

ام المومنین سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " قیامت کے دن جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو سب ننگے پاؤں اور ننگے بدن ہوں گے اور کسی کا ختنہ نہیں ہوا ہوگا۔" میں نے عرض کیا " یارسول اللہ ' (مرداور عورتیں) ننگے سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " لوگ اتنی سخت مصیبت میں مبتلا ہوں گے کہ کسی کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے کا خیال ہی نہیں آئے گا۔" (متفق علیہ)

حساب کی آسانی

ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب بھی کوئی ایسی بات سنتی تھی جو معلوم نہ ہو تو میں حضورؐ سے اس کے بارے میں سوال کرلیا کرتی تھی تاکہ میں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا" جس سے حساب لیا گیا وہ عذاب میں مبتلا ہوگیا۔" اس پر میں نے عرض کیا " یارسول اللہ ' کیا اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ

" اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا۔" (سورہ انشقاق)

سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً" فرمایا "اس سے مراد حساب لیا جانا نہیں بلکہ یہ تو صرف اعمال نامے کا دکھایا جانا ہے۔ لیکن جس پر حساب کے وقت جرح کی جائے گی وہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔" (متفق علیہ)

قرآن سے محبت، محبت الٰہی کا وسیلہ ہے

سیدہ صدیقہؓ سے ہی روایت ہے کہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ سلم نے ایک شخص کو امیر لشکر بنا کر کسی مہم پر بھیجا۔ جب وہ امامت کرتے تو ہر نماز کی آخری رکعت میں سورۃ اخلاص ضرور پڑھتے۔ جب یہ لشکر واپس آیا تو اس میں شریک کچھ لوگوں نے اس کا ذکر حضورؐ کے سامنے کیا۔ آپؐ نے فرمایا اس کی وجہ انہی سے پوچھو جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا، "اس سورۃ میں خدا کی صفات کا بیان ہے اس لئے مجھے اس سے محبت ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اسے زیادہ سے زیادہ پڑھوں۔" آپ نے فرمایا "ان کو بتا دو کہ کائنات کا مالک بھی انہیں محبوب رکھتا ہے۔" (بخاری، مسلم)

لڑکیوں پر شفقت کا ثمرہ

سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس ایک مسکین عورت آئی۔ اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں اس عورت نے سوال کیا لیکن اس وقت میرے پاس دینے کے لئے ایک کھجور کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے وہی اسے دے دی اس نے اسے ان دونوں میں تقسیم کر دیا اور خود کچھ نہ لیا۔ پھر وہ چلی گئی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے تو میں نے آپؐ کے سامنے اس عورت کا تذکرہ کیا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا "جو کوئی ان لڑکیوں کے ذریعہ آزمایا جائے اور وہ ان کے ساتھ حسن

سلوک کرے تو وہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کی آگ کے مقابلے میں آڑ بن جاتی ہیں۔" بخاری، مسلم)

لیلتہ القدر کی تلاش

ام المومنین سیدہ عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ لیلتہ القدر کو رمضان کے آخری دس دنوں میں تلاش کرو۔(متفق علیہ)

دوسرے کی زمین پر ظلماً" قبضہ کرنے کا انجام

حضرت ابوسلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ میرا کچھ لوگوں کے ساتھ زمین کے سلسلے میں جھگڑا تھا۔ میں نے اس کا ذکر ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے کیا تو انہوں نے فرمایا:"ابوسلمہؓ" زمین سے بچو' اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جو شخص کسی دوسرے کی بالشت بھر زمین ناحق لے گا قیامت کے دن اس کے گلے میں زمین کے ساتوں طبق کا طوق پہنایا جائے گا۔" (متفق علیہ)

ام المومنین سیدہ حفصہؓ

فجر کی سنتیں

ام المومنین سیدہ حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ موذن اذان دے کر بیٹھ جاتا تھا اور صبح شروع ہوجاتی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز باجماعت سے

پہلے دو ہلکی پھلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

پانچ جانداروں کو ہلاک کرنے کی اجازت

ام المومنین سیدہ حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "پانچ جاندار ایسے ہیں جن کے ہلاک کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ۱۔ کوا' ۲۔ چیل' ۳۔ چوہا' ۴۔ بچھو' اور ۵۔ کٹکھنا کتا۔ (متفق علیہ)

عمرے کے بعد احرام کھولنے کی شرط

ام المومنین سیدہ حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ' کیا بات ہے کہ لوگوں نے عمرہ کرکے احرام کھول دیا ہے اور آپؐ نے عمرے کے بعد احرام نہیں کھولا۔" آپؐ نے فرمایا: "میں نے اپنے سر کے بالوں کو خطمی وغیرہ سے جمالیا ہے اور اپنے قربانی کے جانور کے گلے میں قلادہ ڈال رکھا ہے اس لئے میں جب تک قربانی نہ کرلوں احرام نہیں کھول سکتا۔" (متفق علیہ)

دائیں ہاتھ کا استعمال

ام المومنین سیدہ حفصہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ سے کھاتے پیتے تھے اور لباس بھی پہلے دائیں سمت سے پہنتے تھے۔ ان کے سوا دوسرے کام بائیں ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ (ابوداؤد)

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ

مومن عورتیں حوران جنت سے افضل ہیں

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "دنیا کی عورتیں بہتر ہیں یا حوریں؟" آپؐ نے فرمایا "دنیا کی عورتیں" میں نے عرض کیا "کس بنا پر؟" "فرمایا "اس لئے کہ ان عورتوں نے نمازیں پڑھی ہیں، روزے رکھے ہیں اور عبادتیں کی ہیں۔"
(تفہیم القرآن بحوالہ طبرانی)

اہل جنت کی بیویاں

قرآن مجید میں اہل جنت کی بیویوں کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:
"ہم ان کی بیویوں کو خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے۔ اور انہیں باکرہ بنا دیں گے.... اپنے شوہروں کی عاشق اور ہم سن - یہ سب کچھ دائیں بازو والوں کے لئے ہے۔" (سورہ واقعہ آیت ۳۵ تا ۳۸)

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا" یہ وہ عورتیں ہیں جو دنیا کی زندگی میں بوڑھی پھونس ہو کر مری ہیں۔ ان کی آنکھوں میں چیپڑ تھے اور سر کے بال سفید۔ اس بڑھاپے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو پھر سے باکرہ (کنواری) پیدا کرے گا۔"

ام المومنین فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا "یارسول اللہ، اگر کسی عورت کے دنیا میں کئی شوہر رہ چکے ہوں اور وہ سب جنت میں جائیں تو وہ ان میں سے کس کو ملے گی؟" حضورؐ نے فرمایا "اس کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ جسے چاہے چن لے اور وہ اس شخص کو چنے گی جو ان میں سب سے زیادہ اچھے

اخلاق کا تھا۔ وہ اللہ سے عرض کرے گی کہ اے رب! اس کا برتاؤ میرے ساتھ سب سے اچھا تھا' اس لئے مجھے اس کی بیوی بنا دے۔" پھر فرمایا "اے ام سلمہؓ' حسن اخلاق دنیا اور آخرت کی سب بھلائیاں لوٹ لے گا۔" (تفہیم القرآن بحوالہ طبرانی)

غسل میں خواتین کے لئے سہولت

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ' میں ایک ایسی عورت ہوں کہ اپنے سر کے بالوں کو خوب مضبوط گوندھتی ہوں۔ تو کیا میں غسل جنابت کے لئے چٹیا کھولا کروں؟" رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نہیں' تیرے لئے یہ بات کافی ہے کہ تو اپنے سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کر۔ پھر اپنے تمام بدن پر پانی بہا دے۔ پس تو پاک ہوجائے گی۔" (مسلم)

شوہر کو خوش رکھنے کا انعام

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس عورت کی موت اس حالت میں آئی کہ اس کا خاوند اس سے خوش تھا تو وہ جنتی ہے۔" (ترمذی)

عصر کے بعد دو رکعت نماز کی تحقیق

حضرت کریبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ اور دوسرے لوگوں نے مجھے ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ ہم سب کی طرف سے ان کی خدمت میں سلام عرض کرنا اور دریافت کرنا کہ وہ دو

رکعتیں کیسی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے؟ نیز یہ کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ (ام المومنین) بھی یہ دو رکعتیں پڑھتی ہیں جبکہ یہ روایت بھی ہم تک پہنچی ہے کہ حضورؐ نے ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے یہ بھی کہا کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ مل کر ان دو رکعتوں کے پڑھنے پر لوگوں کو مارا کرتا تھا۔

حضرت کریبؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنینؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے سامنے وہ تمام گفتگو بیان کردی۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے فرمایا۔ "اس کے بارے میں ام المومنین ام سلمہؓ سے دریافت کرو۔" لہٰذا میں نے واپس جا کر حضرت ابن عباسؓ اور ان کے ساتھیوں کو سیدہؓ کے جواب سے آگاہ کردیا۔ انہوں نے مجھے ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کی خدمت میں بھیجا۔ میری معروضات سن کر ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ نے فرمایا:

"میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دو رکعتوں سے منع کرتے خود سنا تھا۔ لیکن پھر میں نے ایک دن دیکھا کہ آپؐ عصر کے بعد دو رکعت پڑھ رہے ہیں۔ ہوا یہ کہ آپؐ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد میرے گھر تشریف لائے اور دو رکعت پڑھنے لگے۔ اس وقت میرے پاس انصار کی چند عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں خود تو آپؐ کی خدمت میں نہ جا سکی' میں نے ایک لڑکی کو آپؐ کے پاس بھیجا اور اسے ہدایت کی کہ تم حضورؐ کے قریب جا کر ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو جانا اور آپؐ سے عرض کرنا "ام سلمہؓ دریافت کرتی ہے' یارسول اللہ' میں نے آپؐ کو ان دو رکعتوں کے پڑھے سے منع کرتے خود سنا تھا اور اب میں دیکھ رہی ہوں کہ آپؐ پڑھ رہے ہیں۔ اس کی کیا وجہ

ہے؟ اگر آپؐ اپنے ہاتھ سے کوئی اشارہ کریں تو پیچھے ہٹ کر کھڑی رہنا ورنہ واپس آجانا۔" چنانچہ اس لڑکی نے آپؐ کی خدمت میں جاکر جو کچھ میں نے کہا تھا کہہ دیا۔ آپؐ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ٹھہرنے کے لئے کیا۔ وہ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوگئے تو فرمایا۔" اے ابوامیہ کی بیٹی (ام سلمہؓ) تو نے مجھ سے ان دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا ہے جو میں نے عصر کے بعد پڑھی ہیں تو صورت حال یہ ہے کہ میرے پاس قبیلہ عبد قیس کے کچھ لوگ آگئے تھے جس کی وجہ سے میں ظہر کی بعد کی دو رکعتیں نہ پڑھ سکا تھا۔ تو یہ جو اب عصر کے بعد پڑھی ہیں یہ دراصل ظہر کی بعد کی دو رکعتیں ہیں۔" (متفق علیہ)

نظر بد کا علاج دم کے ذریعے

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر ایک لڑکی کو دیکھا جس کے منہ پر چھائیاں تھیں' تو آپؐ نے فرمایا" اس پر پڑھ کر دم کرو کیونکہ اسے نظر لگ گئی ہے۔" (متفق علیہ)

گھروں میں مخنثوں کے داخلے کی ممانعت

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت ایک مخنث وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ حضورؐ نے اسے عبداللہؓ بن امیہ سے کہتے سنا اے عبداللہ' دیکھو اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کل طائف فتح کرلو تو غیلان کی بیٹی ضرور حاصل کرنا' وہ اس قدر پلی ہوئی ہے کہ جب سامنے سے آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں اور جب پیٹھ موڑ کر جاتی ہے تو آٹھ بل پڑتے ہیں۔ اس کی یہ

گفتگو سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" آئندہ یہ مخنث تمہارے پاس نہ آئے۔" (متفق علیہ)

حاملہ بیوہ کی عدت

حضرت ابوسلمہ رحمتہ اللہ علیہ راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص آیا۔ اس وقت حضرت ابوہریرہؓ بھی تشریف فرما تھے۔ اس شخص نے کہا" مجھے ایسی عورت کے بارے میں فتویٰ دیجئے جس کے ہاں خاوند کی وفات کے چالیس دن بعد بچہ پیدا ہوگیاہو۔ کیا اس عورت کی عدت پوری ہوگئی؟" حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔" دونوں مدتوں میں سے جو مدت بعد میں ختم ہوتی ہو اسی کے مطابق عدت پوری کرے۔" میں نے کہا" ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔۔ حاملہ عورتوں کی عدت کی حد یہ ہے کہ وضع حمل ہوجائے۔" (سورہ طلاق) حضرت ابوہریرہؓ نے بھی میری تائید کرتے ہوئے کہا کہ میں اپنے بھتیجے (ابوسلمہ) کے ساتھ ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے اپنے غلام کریبؓ کو ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کی خدمت میں بھیج کر اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا۔ ام المومنین ام سلمہؓ نے فرمایا" حضرت سبیعہ سلمیہؓ کے خاوند شہید ہوگئے تھے اور وہ حاملہ تھیں۔ خاوند کی شہادت کے چالیس روز بعد بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد ان کو نکاح کے پیغام آنے لگے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نکاح کی اجازت دے دی۔ نکاح کا پیغام دینے والوں میں ابوالسنابل بھی شامل تھے۔" (متفق علیہ)

بیمار کے لئے طواف کے سلسلے میں رعایت

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و سلم سے عرض کیا کہ میں بیمار ہوں تو آپ ؐ نے فرمایا "تم سوار ہو کر سب لوگوں کے پیچھے رہ کر طواف کرلو۔" چنانچہ میں نے اسی طرح طواف کیا اور حضورؐ بیت اللہ کے ایک پہلو میں کھڑے ہو کر نماز میں سورہ "طور" تلاوت فرما رہے تھے۔ (متفق علیہ)

مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے

ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی بعض بیویوں کے پاس ایک ماہ تک نہیں جائیں گے۔ پھر جب ۲۹ دن ہوئے تو صبح کے وقت یا شام کو آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ' آپؐ نے تو ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس تشریف نہ لے جانے کی قسم کھائی تھی۔ آپؐ نے فرمایا" مہینہ ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔ " (متفق علیہ)

ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش

فسق و فجور کی کثرت موجب تباہی ہے

ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش بیان کرتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم گھبرائے ہوئے میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ خرابی ہے عرب کے لئے اس آفت سے جو قریب آگئی ہے۔ آج یاجوج ماجوج کے بند میں اتنا شگاف پڑگیا ہے۔ یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ملا کر حلقہ بنایا۔ ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ' کیا ہم نیک

لوگوں کی موجودگی کے باوجود ہلاک ہو جائیں گے؟" آپؐ نے فرمایا: "ہاں' جب فسق و فجور کی کثرت ہو جائے گی تو نیکوں کی موجودگی بھی ہلاکت و بربادی سے نہ بچا سکے گی۔" (متفق علیہ)

نوٹ ۔ درج ذیل روایت میں ام المومنین سیدہ زینبؓ کے ساتھ ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ اور ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ بھی شامل ہیں۔

سوگ کی مدت اور عدت کی حقیقت

حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ کے والد حضرت ابوسفیانؓ کا انتقال ہوا تو میں ان کے ہاں گئی۔ ام المومنین نے ایک زردی مائل خوشبو منگوائی ۔ انہوں نے وہ خوشبو پہلے ایک لڑکی کے لگائی پھر ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر لئے۔ بعد ازاں فرمایا "خدا کی قسم' مجھے خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ یہ جو میں نے لگائی ہے اس کا باعث یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ کسی عورت کے لئے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے' سوائے خاوند کے کہ خاوند کے مرنے پر بیوی کو چار ماہ دس دن عدت گزارنا ضروری ہے۔"

زینب بنت ابی سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں دوسری بار اس موقع پر جب ام المومنین سیدہ زینبؓ بنت جحش کے بھائی کا انتقال ہوا تھا' ان کے گھر گئی تو انہوں نے بھی خوشبو منگوائی اور اس کے بعد فرمایا" بخدا' مجھے خوشبو کی کوئی حاجت نہ تھی۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسر منبر فرماتے سنا ہے کسی عورت کے لئے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان

رکھتی ہے جائز نہیں ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے سوائے خاوند کے کہ خاوند کے مرنے پر عدت چار ماہ دس دن ہے۔"

حضرت زینب ابنت ابی سلمہؓ مزید بیان کرتی ہیں کہ میں نے ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ کو کہتے سنا ہے کہ ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا "یارسول اللہ' میری بیٹی کا خاوند وفات پاگیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا دوں؟" آپؐ نے فرمایا "نہیں" اس عورت نے دو تین بار یہی بات دریافت کی۔ آپؐ نے ہر بار منع فرمایا۔

اس کے بعد آپؐ نے فرمایا "اب تو اس کی عدت صرف چار ماہ دس دن ہے جبکہ زمانہ جاہلیت میں تم عورتوں کو پورے ایک سال بعد مینگنی پھینکنے کی اجازت ملتی تھی۔

حمید' جس نے حضرت زینبؓ بنت ابی سلمہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے' کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زینب سے دریافت کیا "پورے سال کے بعد مینگنی پھینکنے والی بات کا مفہوم کیا ہے؟" انہوں نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں کسی عورت کا خاوند مرجاتا تھا تو وہ ایک گھونسلا نما تنگ و تاریک کوٹھڑی میں داخل ہوجاتی تھی اور پھر اسی کے اندر رہتی تھی۔ اسے بدترین کپڑے پہننے پڑتے تھے اور خوشبو کو تو ہاتھ بھی نہ لگا سکتی تھی' یہاں تک کہ جب ایک سال اسی حالت میں گزرجاتا تھا تو کوئی جانور مثلاً گدھا' بکری یا کوئی اور پرندہ اس کے پاس لایا جاتا تھا اور اس کو چھو کر وہ اپنی عدت توڑتی تھی اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ جانور جس سے عورت اپنی عدت توڑتی زندہ رہتا' اکثر وہ ہلاک ہوجاتا تھا۔ پھر وہ اس تنگ و تاریک کوٹھڑی سے نکلتی تھی تو

اسے ایک مینگنی دی جاتی تھی جسے وہ پھینکتی تھی۔ اس کے بعد اسے اجازت ہوتی تھی کہ وہ خوشبو وغیرہ چاہے تو لگا لے۔

اس روایت کے راویوں میں سے ایک سے دریافت کیا گیا کہ عدت توڑنے سے کیا مراد ہے؟ بتایا گیا کہ عورت اس جانور کو اپنی جلد کے ساتھ مس کرتی تھی۔ بس یہی عدت توڑنا کہلاتا تھا۔ (متفق علیہ)

ام المومنین سیدہ جویریہؓ

چار کلمات کی فضیلت

ام المومنین سیدہ جویریہؓ بیان کرتی ہیں کہ فجر کے وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لے جانے لگے تو میں اس وقت اپنے مصلے پر بیٹھی ہوئی تھی اور جب آپؐ اشراق کی نماز پڑھ کر واپس تشریف لائے تو اس وقت بھی میں اپنے مصلے پر مصروف عبادت تھی۔ آپؐ نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا تم اس وقت سے اسی طرح اس حالت میں بیٹھی ہوئی ہو؟" میں نے عرض کیا "ہاں۔"

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد ایسے چار کلمات تین مرتبہ پڑھے ہیں کہ تمہارے آج کے تمام اوراد و وظائف کے مقابلے میں ان کا وزن زیادہ ہوگا۔ وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان اللہ و بحمدہ عدد خلقہ و رضا نفسہ و زنۃ عرشہ و مداد کلماتہ

ترجمہ ۔ اللہ کی پاکی اور حمد' اس کی مخلوقات کی تعداد کے برابر اس کی مرضی کے مطابق اور اس کے عرش کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات کے مطابق بیان کرتا ہوں :

ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ

نکاح کے لئے حرام رشتے

ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا" یارسول اللہ، کیا آپؐ کو حضرت ابوسفیانؓ کی بیٹی میں، جو میری بہن ہے، کچھ رغبت ہے؟" آپؐ نے فرمایا تو پھر میں کیا کروں؟" میں نے عرض کیا" آپؐ ان سے نکاح کرلیں۔" آپؐ نے فرمایا کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو؟" میں نے عرض کیا" آپؐ کے نکاح میں صرف میں اکیلی تھوڑی ہوں، اور بھی ازواج ہیں اور مجھے یہ بات پسند ہے کہ آپؐ کی ذات میں میرے ساتھ جو شریک ہو وہ میری بہن ہو۔" آپؐ نے فرمایا" وہ میرے لئے حلال نہیں ہے۔"

میں نے عرض کیا" میں نے سنا ہے کہ آپؐ نے کسی کے لئے پیغام دیا ہے۔" آپؐ نے فرمایا" شاید تمہاری مراد ام سلمہؓ کی بیٹی درہ سے ہے؟" میں نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا" درہ اگر میری ربیبہ (بیوی کے پہلے خاوند کی بیٹی) نہ بھی ہوتی تب بھی وہ میرے لئے حلال نہ تھی کیونکہ مجھے اور اس کے باپ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ تم لوگ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو نکاح کے خیال سے میرے سامنے پیش نہ کیا کرو۔" (متفق علیہ)

بارہ نوافل کی ادائیگی کا اجر

ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ راوی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو مسلمان روزانہ فرائض نماز کے علاوہ بارہ نوافل پڑھے گا، اس کے لئے جنت میں ایک محل تعمیر کردیا جائے گا۔ (مسلم)

ام المومنین سیدہ صفیہؓ

شبہہ کے مقام سے بچنے کی ضرورت

ام المومنین سیدہ صفیہؓ سے روایت ہے کہ رمضان کے آخری عشرے میں جب حضورؐ مسجد میں بحالت اعتکاف تھے تو میں آپؐ سے ملنے گئی اور کچھ دیر آپؐ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرتی رہی اور پھر جب میں واپس جانے کے لئے اٹھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی میرے ساتھ اٹھے تاکہ مجھے پہنچا دیں حتیٰ کہ جس وقت میں مسجد کے دروازے اور ام المومنین ام سلمہؓ کے حجرے کے قریب پہنچی تو دو انصاری ہمارے قریب سے گزرے اور انہوں نے حضورؐ کو سلام کیا۔ آپؐ نے ان سے فرمایا۔ "ذرا ٹھہرو۔ یہ صفیہؓ ہیں۔" وہ دونوں کہنے لگے سبحان اللہ، یارسول اللہ، گویا آپؐ کا یہ کہنا انہیں ناگوار گزرا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "شیطان انسان کے جسم میں خون کی مانند گردش کرتا ہے۔ مجھے یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ کہیں وہ تمہارے دلوں میں کوئی شبہ پیدا نہ کردے۔" (متفق علیہ)

ام المومنین سیدہ میمونہؓ

خاص ایام میں بیوی سے میل جول

ام المومنین سیدہ میمونہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے ساتھ اختلاط جسمانی فرمانا چاہتے اور وہ خاص ایام کی حالت میں ہوتی تو اسے زیرجامہ پہننے کا حکم دیتے۔

(متفق علیہ)

غسل کا طریقہ

ام المومنین سیدہ میمونہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لئے پانی کا اہتمام کیا۔ چنانچہ جب آپؐ غسل فرمانے لگے تو آپؐ نے اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈال کر دونوں ہاتھوں کو دھویا۔ پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ کو زمین پر رکھ کر مٹی سے رگڑا اور پھر اسے دھوڈالا۔ اس کے بعد کلی کی اور ناک میں پانی چڑھایا۔ پھر چہرے کو دھویا پھر سارے جسم پر پانی بہانے کے لئے سر پر پانی ڈالا۔ پھر اس جگہ سے ہٹ کر آپؐ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ پھر آپؐ کو رومال پیش کیا گیا لیکن آپؐ نے اس سے جسم نہ پونچھا۔ (متفق علیہ)

آگ پر پکائی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا

ام المومنین سیدہ میمونہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر بکری کے شانے کا پکا ہوا گوشت تناول فرمایا۔ پھر نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں کیا۔ (متفق علیہ)

خاص ایام میں عورت کا جسم نجس نہیں ہوتا

ام المومنین سیدہ میمونہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اس طرح نماز پڑھ لیا کرتے تھے کہ میں آپؐ کے سامنے لیٹی اور بیٹھی ہوتی تھی اور میں "خاص ایام" کی حالت میں ہوتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سجدہ کرتے وقت آپؐ کا کپڑا مجھ سے چھو جاتا تھا۔ (متفق علیہ)

آپؐ کھجور کے بوریے پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ (متفق علیہ)

عرفہ کے دن کا روزہ

ام المومنین سیدہ میمونہؓ بیان کرتی ہیں کہ "یوم عرفہ" کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے سے ہونے کے بارے میں لوگوں کو شک ہوا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبکہ آپؐ میدان عرفات میں وقوف فرما تھے' دودھ کا ایک برتن بھیجا تو آپؐ نے اس میں سے لوگوں کے سامنے دودھ پیا (متفق علیہ)

نمبر شمار	کتابیات	
۱	امام مالک	موطا
۲	امام محمد بن اسماعیل بخاری	صحیح بخاری
۳	امام مسلم بن حجاج	صحیح مسلم
۴	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی	جامع ترمذی
۵	امام احمد بن شعیب نسائی	نبوی لیل و نہار
٦	شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب عمری	مشکوۃ المصابیح
۷	علامہ محمد فواد عبدالباقی	اللئو للئو والمرجان
۸	امام یحییٰ بن شرف النووی	ریاض الصالحین
۹	علامہ محمد بن سعد	طبقات ابن سعد
۱۰	علامہ عبدالملک بن ہشام	سیرت النبی (کامل)
۱۱	علامہ ابن اثیر	الکامل (سیرت رسولؐ)
۱۲	علامہ جلال الدین سیوطی	تاریخ الخلفاء
۱۳	علامہ ابن حجر عسقلانی	اصابہ
۱۴	علامہ ابن عبدالبر	الاستیعاب
۱۵	قاضی ابویوسف	کتاب الخراج
۱٦	علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری	تاریخ طبری
۱۷	علامہ شبلی نعمانی	سیرت النبیؐ
۱۸	″	الفاروق
۱۹	قاضی سلیمان منصورپوری	رحمتہ للعالمین

نمبر شمار	کتابیات	
۲۰	″	سفر نامہ حجاز
۲۱	سید ابوالاعلیٰ مودودی	تفہیم القرآن
۲۲	″	سیرت سرورِ عالم
۲۳	″	پردہ
۲۴	″	حقوق الزوجین
۲۵	علامہ سید سلیمان ندوی	سیرت عائشہؓ
۲۶	″	خطبات مدراس
۲۷	ڈاکٹر محمد حسین ہیکل مصری	سیرۃ الرسولؐ
۲۸	علامہ محمد رضا مصری	محمدؐ
۲۹	مولانا مفتی محمد شفیع	مُعارف القرآن
۳۰	مولانا امین احسن اصلاحی	تدبر قرآن
۳۱	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن
۳۲	ڈاکٹر حمید اللہ	خطبات بہاولپور
۳۳	ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ	خطباتِ حرم
۳۴	سعید انصاری	سیرالصحابیات
۳۵	مولانا محمد یوسف کاندھلوی	حیات صحابہؓ
۳۶	شاہ معین الدین احمد ندوی	تاریخ اسلام
۳۷	خلیفہ عبدالحکیم	تاریخ اسلام
۳۸	ڈاکٹر ثروت صولت	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ

نمبر شمار	کتابیات	
۳۹	عبدالحمید الزہراوی	خدیجہؓ
۴۰	سید ابوالحسن علی ندوی	المرتضیٰؓ
۴۱	ابوالقاسم رفیق دلاوری	محسنؐ اعداء
۴۲	شاہ مصباح الدین شکیل	سیرت احمد مجتبےٰؐ
۴۳	طالب الہاشمی	تذکار صحابیات
۴۴	"	خلیفتہ الرسولؐ
۴۵	"	فاطمتہ الزہراؓ
۴۶	"	خیرالبشرؐ کے چالیس جانثار
۴۷	"	وفود عرب بارگاہ نبویؐ میں
۴۸	ڈاکٹر نصیراحمد ناصر	پیغمبراعظم و آخرؐ
۴۹	شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب	سیرۃ الرسولؐ
۵۰	ڈاکٹر محمد عبدالحیی	اسوہ رسول اکرمؐ